احیائے اسلام اور امنِ عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جنوری 2026ء

معراجِ مصطفی ﷺ
انسانی معراج کی اساس

شبِ برأت
مقصدِ حیات کی از سرِ نو تلاش

قرآنی فلسفۂ عروج و زوال

ملاقات و دیدارِ الٰہی کا حصول کیونکر ممکن ہے؟

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و تربیتی خصوصی خطاب

خوف و غم کا فلسفہ
صوفیاء کرام کا نقطۂ نظر

منہاج یونیورسٹی لاہور کانوکیشن 2025ء

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ بحرین

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ بحرین

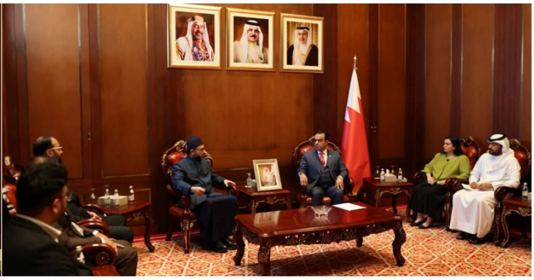

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد: 40 شمارہ: 01 / ۱۴۴۷ھ رجب / شعبان / جنوری 2026ء

بفیضان نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیر نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

چیف ایڈیٹر: نور اللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر: ابدال احمد میرزا

ایڈیٹوریل بورڈ
ڈاکٹر محمد رفیق نجم، ڈاکٹر محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد بلال اُپل، سید علی عباس بخاری، فیصل حسین مشہدی، حفیظ اللہ جاوید

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم، جی ایم ملک
محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، علی عمران، داؤد حسین مشہدی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسن ترتیب

اداریہ: اخلاقی احیاء کے بغیر کوئی تبدیلی ممکن نہیں	(چیف ایڈیٹر)	5
القرآن: ملاقات و دیدارِ الٰہی کا حصول کیونکر ممکن ہے؟	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	8
الفقہ: آپ کے فقہی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	19
معراجِ مصطفیٰ ﷺ: انسانی معراج کی اساس	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	24
شبِ برأت: مقصدِ حیات کی از سرِ نو تلاش	ڈاکٹر حافظ ظہیر احمد الاسنادی	34
خوف و غم کا فلسفہ: صوفیاء کرام کا نقطۂ نظر	ڈاکٹر مسعود احمد مجاہد	45
قرآنی فلسفۂ عروج و زوال	ڈاکٹر محمد اکرم رانا	56
سالِ نو: محاسبۂ نفس اور عملی تقاضے	ساحل کاشمیری	65
پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ بحرین	خصوصی رپورٹ	75
منہاج یونیورسٹی لاہور: کانووکیشن 2025ء	خصوصی رپورٹ	83

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ

www.minhaj.info
www.facebook/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبر شپ / رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم — گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری — عکاسی: قاضی محمود الاسلام

قیمت فی شمارہ: 60 روپے — سالانہ خریداری: 700 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ وریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 02930103644000 میزان بینک شالیمار لنک روڈ لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext: 128

حمدِ باری تعالیٰ

لائقِ حمد و ثنا، میرا خدا
خالقِ ارض و سما، میرا خدا

پالتا ہے سب جہانوں کو وہی
بالیقیں ربِّ عُلا، میرا خدا

اس کی مرضی، دے سزا یا بخش دے
مالکِ روزِ جزا، میرا خدا

جھولیاں منگتوں کی بھرنے کے لیے
رکھے اپنا در کھُلا، میرا خدا

کشتیِ جاں غم کے طوفانوں میں بھی
ڈوبنے سے لے بچا، میرا خدا

سختیوں میں بھی مئے "لَاتَقْنَطُوْا"
کون دیتا ہے پلا؟ میرا خدا

عیب پوشی کرکے میری ہر گھڑی
ہے بھرم رکھتا مرا، میرا خدا

جو بھی مانگوں اس کے پیارےؐ کے طفیل
مجھ کو کرتا ہے عطا، میرا خدا

ذکر اُس کا حرزِ جاں ہر دم رہے
نشہ ایسا دے پلا، میرا خدا

رکھے محوِ حمد و نعت و منقبت!
مجھ کو ہمذآلی سدا، میرا خدا

(انجینئر اشفاق حسین ہمذآلی)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

تسلیم، آرزوئے رضا ساتھ مرے
میں مطمئن ہوں میرا خدا ساتھ ہے مرے

بھیگا ہوا ہے جس سے مری روح کا چمن
آنکھوں سے وہ برستی گھٹا ساتھ ہے مرے

فتنہ گری ہے، ظلم ہے، مکر و فریب ہے
لطف و کرم کی سر پر ردا ساتھ ہے مرے

کیا کیا نہ دکھ اٹھائے صحابہؓ نے آپؐ کے
دریائے صبر بہتا ہوا ساتھ ہے مرے

باہر اَنا کا شہر ہے اور انتشار ہے
سینے میں انؐ کی یاد بپا ساتھ ہے مرے

جو کچھ بھی ہوں جہاں بھی ہوں انؐ کی رضا سے ہوں
جو ہو سو ہو کہ انؐ کی رضا ساتھ ہے مرے

دیکھی ہے میں نے وادیٔ بطحا کی چاندنی
کرنوں کی وہ برستی گھٹا ساتھ ہے مرے

آتا نہیں ہے کچھ بھی نظر آج کل مجھے
آنکھوں میں شہرِ نور بسا ساتھ ہے مرے

رستے میں گرچہ بغض و عداوت کی دھوپ ہے
صبر و رضا کی ٹھنڈی ہوا ساتھ ہے مرے

ملتے ہیں دل کو زخم گو صبح و مسا عزیزؔ
اُنؐ کی نگاہِ جود و سخا ساتھ ہے مرے

﴿شیخ عبدالعزیز دباغ﴾

اداریہ

اخلاقی احیاء کے بغیر کوئی تبدیلی ممکن نہیں

نیا سال 2026ء جب وقت کی دہلیز پر قدم رکھ رہا ہے تو یہ لمحہ محض خوشیوں، تقریبات اور رسمی پیغامات کا نہیں بلکہ گہرے غور و فکر، اجتماعی احتساب اور فکری بیداری کا تقاضا کرتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اقوام اور تحاریک نئے سال کو صرف کیلنڈر کی تبدیلی نہیں سمجھتیں بلکہ اسے اپنے سفر کے محاسبہ اور مستقبل کے تعین کا نقطۂ آغاز بناتی ہیں۔ تحریک منہاج القرآن اس نئے سال کو اسی شعور، اسی ذمہ داری اور اسی فکری سنجیدگی کے ساتھ خوش آمدید کہتی ہے، کیونکہ ہمارے نزدیک وقت اللہ تعالیٰ کی وہ امانت ہے جس کا ہر لمحہ سوال بن کر انسان کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ 2026ء ہم سے پوچھ رہا ہے کہ کیا ہم نے گزرے ہوئے سالوں سے کچھ سیکھا؟ کیا ہم نے ان زخموں کو پہچانا جو امت کے جسم پر لگے؟ اور کیا ہم نے اپنے اندر وہ تبدیلی پیدا کی جو کسی بڑی اجتماعی تبدیلی کی بنیاد بن سکتی ہے؟

اس حقیقت پر ہمارا کامل یقین ہے کہ انسانی تاریخ کا ہر نیا دور اخلاقی بنیادوں کے بغیر کھوکھلا ثابت ہوا ہے۔ آج کی دنیا بظاہر ترقی، ٹیکنالوجی اور طاقت کے عروج پر کھڑی ہے مگر اس کے اندر کا انسان خوف، تنہائی، بے یقینی اور اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہے۔ نیا سال 2026ء اسی تضاد کے ساتھ ہمارے سامنے آرہا ہے؛ ایک طرف مصنوعی ذہانت، ڈیجیٹل انقلاب اور مادی سہولتوں کا سیلاب ہے اور دوسری طرف انسان کی روح پیاسی، دل بے چین اور معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ تحریک منہاج القرآن سمجھتی ہے کہ یہ بحران محض معاشی یا سیاسی نہیں بلکہ بنیادی طور پر فکری اور روحانی ہے اور جب تک اس کا علاج قرآن و سنت کی روشنی میں نہیں کیا جاتا، کوئی نظام، کوئی پالیسی اور کوئی اصلاحاتی ایجنڈا دیرپا ثابت نہیں ہو سکتا۔

امتِ مسلمہ آج جن حالات سے دوچار ہے، وہ کسی ایک سال یا ایک دہائی کا نتیجہ نہیں بلکہ طویل فکری انحراف، اخلاقی غفلت اور دینی اقدار سے تدریجی دوری کا شاخسانہ ہے۔ آج اغیار امتِ مسلمہ پر غلبہ پائے ہوئے ہیں اور اپنی پالیسیاں ڈکٹیٹ کروا رہے ہیں مگر ہماری کمزوری یہ نہیں کہ ہمارا دشمن بڑا چالاک ہے بلکہ ہماری کمزوری یہ ہے کہ امت ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ فرقہ واریت، تعصب،

نفرت انگیز رویے اور ذاتی مفادات نے امت کو اندر سے کمزور کیا ہے۔ شانِ رفتہ کی بحالی صرف نعروں سے نہیں بلکہ فکر کی اصلاح، کردار کی تطہیر اور مقصد کی تجدید سے ممکن ہے۔

تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ بارہا اس امر پر زور دے چکے ہیں کہ اسلام محض عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل نظامِ حیات ہے جو فرد، خاندان، معاشرہ اور ریاست سب کے لیے واضح رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری فرماتے ہیں کہ انسان کی انفرادی زندگی کا مقصد اور نصب العین ''اخلاقی کمال کا حصول'' ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** ''اور میں نے جن و انسان اس لیے پیدا کیے ہیں کہ وہ میری بندگی کریں۔'' اس آیت میں عبادت کے لفظ سے شاید کسی کو یہ گماں پیدا ہو کہ عبادت اور بندگی سے مراد صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ ہیں اور انہی عبادات کا بجالانا انسانی زندگی کا نصب العین ہے۔ یہ تصور غلط ہے کیونکہ قرآن عبادت اور بندگی کو انسانی تخلیق کا واحد مقصد قرار دے رہا ہے جبکہ ارکانِ اسلام تمام کے تمام مل کر بھی پوری زندگی کے ایک ایک لمحے پر محیط نہیں ہو سکتے۔ انسان کھاتا پیتا بھی ہے، شادی بیاہ بھی کرتا ہے اور ہر طرح کے معاملاتِ زندگی بھی نبھاتا ہے۔ ان تمام معاملات کو عبادات کے زمرے میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی عبادت ہے جس کو انسانی تخلیق اور اس کی حیات کا مقصد قرار دیا گیا ہے؟ یاد رکھیں! اسلام کے نزدیک عبادت اور نیکی کا مفہوم اس قدر محدود نہیں کہ جس کا بقیہ عملی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو بلکہ قرآنی تصورِ عبادت اس قدر وسیع ہے جو انسان کی فکری اور عملی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے۔ صحتِ عقائد، حبِ الٰہی، مالی ایثار، صحت اعمال، ایفائے عہد، صبر و تحمل اور اللہ رب العزت کے راستے میں کوشش کرنا، ان تمام اجزاء کا مجموعہ نیکی اور اصل عبادت ہے۔

نیا سال 2026ء ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اگر دین کو صرف مسلک، رسم یا مخصوص طبقے تک محدود کر دیا جائے تو وہ اپنی انقلابی روح کھو دیتا ہے۔ منہاج القرآن کی دعوت ہمیشہ اعتدال، علم، امن اور انسانیت کے گرد گھومتی رہی ہے، کیونکہ یہی وہ اوصاف ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا حقیقی عکس ہیں۔

نئے سال کے آغاز پر سب سے بڑا چیلنج نوجوان نسل کو مقصدیت سے ہم آہنگ کرنا ہے، جو ایک طرف بے مثال صلاحیتوں کی حامل ہے اور دوسری طرف فکری انتشار کا شکار بھی۔ تحریک منہاج القرآن اس حقیقت سے آنکھیں نہیں چراتی کہ اگر نوجوان دین سے دور ہو رہا ہے تو اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے دین کو اس کی زبان میں، اس کے مسائل کے تناظر میں اور اس کے ذہنی سوالات کے مطابق پیش نہیں کیا۔ 2026ء ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ ہم نوجوانوں کو صرف نصیحت کا مخاطب نہ

بنائیں بلکہ مکالمہ کا شریک بنائیں، انہیں دلیل دیں، اعتماد دیں اور سب سے بڑھ کر اپنے کردار سے دین کی خوبصورتی دکھائیں۔

خاندانی نظام، جو اسلامی معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی ہے، آج شدید دباؤ کا شکار ہے۔ طلاق کی بڑھتی شرح، والدین اور اولاد کے درمیان بڑھتا فاصلہ اور گھریلو زندگی میں روحانیت کی کمی اس بات کی علامت ہے کہ ہم نے اپنے گھروں کو صرف رہائش گاہ بنا دیا ہے، تربیت گاہ نہیں۔ تحریک منہاج القرآن نئے سال 2026ء کے موقع پر اس امر پر زور دیتی ہے کہ اصلاح کا سفر گھر سے شروع ہوتا ہے۔ اگر گھر میں قرآن کی آواز، ذکر کی خوشبو اور محبت کا ماحول نہیں ہوگا تو معاشرہ کبھی پر امن نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح معاشی ناانصافی، سودی نظام اور اخلاق سے عاری سیاست نے معاشرے میں بداعتمادی کو جنم دیا ہے۔ تحریک منہاج القرآن یہ سمجھتی ہے کہ سیاست اگر اخلاق سے خالی ہو جائے تو وہ خدمت کے بجائے تباہی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ نیا سال ہمیں یہ یاد دہانی کراتا ہے کہ قیادت امانت ہے، اختیار آزمائش اور طاقت کا اصل مقصد عدل کا قیام ہے۔ جب تک ہم ان اصولوں کو قبول نہیں کرتے، ہمارے مسائل کا حل ممکن نہیں۔

تحریک منہاج القرآن ہمیشہ تعلیم، تحقیق اور فکری تربیت کو اپنی جدوجہد کا مرکز بناتی رہی ہے۔ 2026ء میں داخل ہوتے ہوئے ہمیں اس بات کا ادراک ہے کہ علم کے بغیر کوئی تحریک زندہ نہیں رہ سکتی، ہمیں ایسے افراد تیار کرنے ہوں گے جو قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے تقاضوں سے بھی آگاہ ہوں، جو نفرت نہیں بلکہ امن کے سفیر ہوں، جو شدت نہیں بلکہ حکمت کے داعی ہوں اور جو اختلاف کو دشمنی میں بدلنے کے بجائے اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔

نیا سال 2026ء ہمارے لیے ایک عہد ہے، ایک وعدہ ہے اور ایک ذمہ داری ہے۔ یہ ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم مایوسی کو ترک کریں، امید کو اپنائیں اور عمل کے میدان میں اتریں۔ اس یقین کے ساتھ آگے بڑھیں کہ ہم حالات بدل سکتے ہیں اور جدوجہد مسلسل ہو تو اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی شامل حال ہو جاتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ چند باکردار افراد بھی اگر سچائی پر ڈٹ جائیں تو بڑے بڑے نظام بدل جاتے ہیں۔

تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست اعلیٰ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے مصطفوی معاشرہ کی تشکیل کے لیے مراکزِ علم قائم کرنے کا ویژن دیا ہے اور پہلے مرحلے میں ملک بھر میں 25 ہزار مراکز علم قائم کیے جائیں گے، جب گھروں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذکر کی صدائیں بلند ہونا شروع ہو جائیں گی تو یقینا خیر کے اثرات و ثمرات گلی کوچہ تک جائیں گے۔ مراکزِ علم 2026ء کا ایک خوبصورت تحفہ ہے۔

(چیف ایڈیٹر: نور اللہ صدیقی)

القرآن

ملاقات و دیدارِ الٰہی کا حصول کیونکر ممکن ہے؟

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و تربیتی خصوصی خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

گزشتہ سے پیوستہ

پاکیزگی کی راہ اختیار کرنے، ایمان کو مضبوط کرنے، اعمال صالحہ اپنانے، اخلاقِ حسنہ اختیار کرنے، سیرت و کردار کو مزین کرنے، سیرتِ نبوی کے مطابق نیک اور صالح بننے، دنیا کمانے مگر آخرت کو مقدم رکھنے اور اسے ترجیح بنانے سے یقیناً اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور دیدار نصیب ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے ظاہر و باطن کی پاکیزگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سودا کر لیتا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فرماتا ہے:

اِنَّ اللهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ (التوبۃ: ۱۱۱)

بے شک اللہ نے اہلِ ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال، ان کے لیے (وعدۂ) جنّت کے عوض خرید لیے ہیں۔

کبھی اللہ تعالیٰ ایسے خوش نصیب افراد کے اجر کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗ اَجْرٌ كَرِیْمٌ۔

کون شخص ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ کے طور پر قرض دے تو وہ اس کے لیے اُس (قرض) کو کئی گنا بڑھاتا رہے اور اس کے لیے بڑی عظمت والا اجر ہے۔ (الحدید: ۱۱)

(خطاب نمبر: Ea-44)، (تاریخ: یکم ستمبر 2024ء)، (بمقام: جاپان)

جب بندہ اللہ تعالیٰ کو اپنا دل بیچ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق پاکیزہ زندگی گزارتا ہے، آخرت کو ترجیح دیتا ہے، دنیاوی کمائی حلال طریقے سے کرتا ہے تو آقا ﷺ نے ایسے شخص کے فوت ہوتے وقت اور اس کے بعد کے احوال کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”جب مومن دنیا سے تعلق توڑتا اور آخرت کی طرف منہ کرتا ہے تو اس کی موت کے وقت ملائکہ سفید نورانی چہروں کے ساتھ اترتے ہیں۔ ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبوئیں ہوتی ہیں۔ وہ ملائکہ اس شخص سے دور فاصلہ پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کے بعد ملک الموت آتا ہے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے:

أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ اخْرُجِي إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنَ اللهِ ورضوان قَالَ: فَتَخْرُجُ تَسِيلُ كَمَا تَسِيلُ الْقَطْرَةُ مِنْ فِي السِّقَاءِ فَيَأْخُذُهَا فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوهَا فِي يَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتَّى يَأْخُذُوهَا فَيَجْعَلُوهَا فِي ذَلِكَ الْكَفَنِ وَفِي ذَلِكَ الْحَنُوطِ وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَأَطْيَبِ نَفْحَةِ مِسْكٍ وُجِدَتْ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ۔

اے پاکیزہ روح! اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی رضا کے باغوں کی طرف چل۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اُس کی روح جسم سے اِس طرح آسانی سے نکلتی ہے، جیسے مشکیزے کے منہ سے پانی کا قطرہ نکلتا ہے۔ ملک الموت اس کی روح کو قبض کرتا ہے لیکن دیگر فرشتے اسے ایک لمحہ بھی اس کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے بلکہ اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیتے ہیں؛ اُسے جنت کا کفن پہناتے اور جنت کی خوشبوئیں لگاتے ہیں۔ پھر اس کے جسم سے زمین پر موجود سب سے اعلیٰ کستوری کی خوشبو جیسے مہک نکلتی ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر فرشتے اسے لے کر آسمان کی طرف چلتے ہیں اور وہ فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے بھی گزرتے ہیں، وہ پوچھتا ہے: یہ پاکیزہ روح کس کی ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: یہ فلاں ہے فلاں کا بیٹا۔ فرشتے اچھے القاب و اسما کے ساتھ اس کا نام لیتے ہیں، جن القاب و اسما کے ساتھ وہ اسے دنیا میں پکارتے تھے۔ حتی کہ وہ اسے لے کر آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتے ہیں اور دروازے کھلواتے ہیں۔ ان کے لیے دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ ہر آسمان کے مقرب فرشتے اسے الوداع کرتے ہوئے اگلے آسمان تک چھوڑ آتے ہیں۔ اس طرح وہ ملائکہ اسے لے کر ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔

فَيَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: اكْتُبُوا كِتَابَهُ فِي سِجِّين فِي الْأَرْض السُّفْلى فتطرح روحه طرحا ثُمَّ قَرَأَ: (وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحِ فِي مَكَان سحيق) فَتُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے اس بندے کا نام علیین (خاص مقرب افراد کے رجسٹر) میں درج کر دو اور اب اس روح کو زمین میں واپس اس کے جسم میں لے جاؤ۔ میں نے (زمین کی) اسی (مٹی) سے

انہیں پیدا کیا اور اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور اسی سے انہیں دوسری مرتبہ (پھر) نکالوں گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر اس کی روح جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔‘‘

(احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۸۷، ۲۸۸، رقم: ۱۸۵۵۷)

گویا وہ شخص جس نے اپنا دل اللہ کو بیچ دیا، اس کی روح سب سے پہلے اللہ کے حضور تعظیم اور احترام کے ساتھ عرش پر لے جائی جاتی ہے۔ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب میت قبر میں جاتی ہے تو وہیں روح آتی ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ وہ لوگ جو دنیا میں رہتے ہوئے اللہ کے ساتھ خوبصورت تجارت اور ایک پختہ سودا کرتے ہیں اور پھر سودے کی وفا کرتے ہیں اور آخر وقت تک وفا کو توڑتے نہیں تو ملائکہ ایسے لوگوں کی روح کو لے کر سیدھا عرش پر جاتے ہیں۔ اس مرحلہ کے بعد روح قبر میں جاتی ہے۔ جب روح عرش پر اللہ سے ملاقات کر کے آتی ہے تو اس کے بعد اسے قبر میں آقا علیہ السلام کا دیدار ہوتا ہے۔ جو روح عرش پر اللہ سے ملاقات کرتی ہے، وہی روح قبر میں آقا علیہ السلام کو پہچان لیتی ہے۔

دوسری طرف وہ لوگ جو اپنی زندگی اللہ کے ساتھ وفا میں نہیں گزارتے، بلکہ بے وفائی کرتے ہیں، ان کی روح بھی فرشتے قبض کرتے ہیں لیکن ان کے ساتھ مذکورہ حدیث میں بیان کردہ معاملہ نہیں ہوتا اور نہ ہی انھیں اس عزت و تکریم کے ساتھ عرش کی طرف لے جایا جاتا ہے اور اس کا انجام وہی ہوتا ہے جو قبر میں مقدر ہے۔

جنت میں داخل ہوتے ہی دیدارِ الٰہی

پس جو لوگ اللہ سے عہد کرتے ہیں، وفا کرتے ہیں اور اپنے وعدے کو نبھاتے ہیں تو انھیں یہ مقام نصیب ہوتا ہے۔ یہ تو دنیا سے رخصتی کے وقت کا منظر ہے اور وہ بندہ مومن جس نے اپنا دل ظاہر و باطن کی سلامتی کے ساتھ اللہ کو بیچ دیا ہو گا، اسے جنت میں داخل ہونے کے بعد پہلی ہی حلقے میں اللہ کا دیدار نصیب ہو گا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا دخل اهل الجنة الجنة، قال: يقول الله: تريدون شيئا ازيد كم؟ فيقولون: الم تبيض وجوهنا؟ الم تدخلنا الجنة وتنجنا من النار (رحمۃ) قال: فيكشف الحجاب فما اعطوا شيئا احب اليهم من النظر الى ربهم ثم تلا هذه الآية: ﴿للذين احسنوا الحسنى وزيادة﴾ (یونس، ۱۰: ۲۶)

(مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب اثبات رویۃ المومنین الآخرۃ ربھم، ۱: ۱۶۳، رقم: ۱۸۱)

’’جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے (تو) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم کچھ اور چاہتے ہو تو میں تمہیں عطا کروں؟ وہ عرض کریں گے: (اے ہمارے رب! تیری عنایات میں پہلے ہی کیا کمی ہے) کیا تو نے

ہمارے چہرے منور نہیں کر دیئے؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا؟ اور ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دے دی؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کے بعد اللہ تعالیٰ (اپنے جلوہ حسن سے) پردہ اٹھادے گا، تب انہیں (معلوم ہو گا کہ) اپنے پروردگار کے دیدار سے بہتر کوئی چیز نہیں ملی، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ) ایسے لوگوں کے لیے جو نیک کام کرتے ہیں نیک جزا ہے (بلکہ) اس پر اضافہ بھی ہے۔ (اضافہ سے مراد دیدارِ الٰہی ہے۔)

پس اس طرح بندہ مومن کی مرنے کے فوری بعد عرش پر اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہو گی اور جنت میں داخلے کے بعد پہلے ہی حلقے میں اللہ کا دیدار نصیب ہو گا۔ جنھوں نے اللہ کو اپنا دل بیچ دیا، ان کے لیے لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ کے مصداق حسین اجر عطا کیا جائے گا اور اس سے بھی زیادہ یہ ہو گا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف کیا جائے گا۔

☆ ایک اور حدیث مبارک میں ہے کہ اگر تم نے اللہ سے سودا کیا، اسے نبھایا اور وفا کو جفا میں نہیں بدلا، یعنی عہدِ وفا کو کبھی نہیں توڑا تو آقا علیہ السلام نے فرمایا:

أَهْلُ الْجَنَّةِ فِي نَعِيمِهِمْ إِذْ سَطَعَ لَهُمْ نُورٌ فَرَفَعُوا رُءُوسَهُمْ، فَإِذَا الرَّبُّ قَدْ أَشْرَفَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِهِمْ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ، قَالَ: وَذَلِكَ قَوْلُ اللهِ سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ۔ (یٰس: ۵۸) فَيَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَيَنْظُرُونَ إِلَيْهِ، فَلَا يَلْتَفِتُونَ إِلَى شَيْءٍ مِنَ النَّعِيمِ مَا دَامُوا يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ حَتَّى يَحْتَجِبَ عَنْهُمْ وَيَبْقَى نُورُهُ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْهِمْ فِي دِيَارِهِمْ۔ (سنن ابن ماجه، كتاب السنة، باب: فيما أنكرت الجهمية، رقم الحديث: ۱۸۴)

”اہل جنت اپنی نعمتوں میں ہوں گے، اچانک ان پر ایک نور چمکے گا، وہ اپنے سر اوپر اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ ان کا رب ان کے اوپر سے جھانک رہا ہے، اور فرما رہا ہے: ”اے جنت والو! تم پر سلام ہو۔ جب تک باری تعالیٰ کے دیدار کی نعمت ان کو ملتی رہے گی، وہ کسی بھی دوسری نعمت کی طرف مطلقاً نظر نہیں اٹھائیں گے۔ پھر وہ ان سے چھپ جائے گا، لیکن ان کے گھروں میں ہمیشہ کے لیے اس کا نور اور برکت باقی رہ جائے گی۔“

دیدارِ الٰہی اور جنت کے بازار

اللہ تعالیٰ کے ساتھ نفع بخش تجارت اور اپنے ظاہر و باطن کو پاکیزہ کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ جنت میں اپنی ملاقات و دیدار سے نوازے گا اور جنت کے بازار میں اہلِ جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام سے لطف اندوز ہوں گے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ان کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں:

أَسْأَلُ اللهَ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ فِي سُوقِ الْجَنَّةِ، فَقَالَ سَعِيدٌ: أَفِيهَا سُوقٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، أَخْبَرَنِي رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أَنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ إِذَا دَخَلُوهَا، نَزَلُوا فِيهَا بِفَضْلِ أَعْمَالِهِمْ، ثُمَّ يُؤْذَنُ فِي مِقْدَارِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مِنْ أَيَّامِ الدُّنْيَا، فَيَزُورُونَ رَبَّهُمْ، وَيُبْرِزُ لَهُمْ عَرْشَهُ، وَيَتَبَدَّى لَهُمْ فِي رَوْضَةٍ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو جنت کے بازار میں اکٹھا کردے۔ سعید کہنے لگے: کیا جنت میں بھی کوئی بازار ہوگا؟ انہوں نے کہا: ہاں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا ہے کہ جب جنتی جنت میں داخل ہوجائیں گے تو وہ اپنے اعمال کی برتری کے لحاظ سے مراتب حاصل کریں گے۔ دنیا کے ایّام میں سے جمعہ کے دن کے (دورانیہ کے) برابر انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے اپنا عرش ظاہر کرے گا اور باغاتِ جنت میں سے کسی ایک باغ میں اپنی تجلی فرمائے گا۔

پھر جنتیوں کے لیے منبر بچھائے جائیں گے جو نور، موتی، یاقوت، زبرجد، سونے اور چاندی کے ہوں گے۔ ان میں سے ادنیٰ درجے والے مشک اور کافور کے ٹیلے پر بیٹھیں گے اور (حقیقت میں) وہاں کوئی شخص بھی ادنیٰ نہیں ہوگا۔ وہ کرسیوں پر بیٹھنے والوں کو اپنے سے افضل نہیں سمجھیں گے۔

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَهَلْ نَرَى رَبَّنَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: هَلْ تَتَمَارُونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ؟ قُلْنَا: لَا، قَالَ: كَذٰلِكَ لَا تُمَارُونَ فِي رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ، وَلَا يَبْقَى فِي ذٰلِكَ الْمَجْلِسِ رَجُلٌ إِلَّا حَاضَرَهُ اللهُ مُحَاضَرَةً۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنے پروردگار کا دیدار کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، کیا تم سورج اور چودھویں کے چاند کو دیکھنے میں کوئی شک کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح تم اپنے پروردگار کے دیدار میں کوئی شک نہیں کروگے۔ اس محفل میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ براہِ راست گفتگو نہ فرمائے گا۔

حتیٰ کہ ان میں سے ایک سے فرمائے گا: اے فلاں بن فلاں! کیا تجھے وہ دن یاد ہے جب تو نے فلاں بات کہی تھی؟ پس وہ اسے اس کے بعض گناہ یاد دلائے گا۔ وہ شخص عرض گزار ہوگا: اے رب! کیا تو نے مجھے بخش نہیں دیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہاں کیوں نہیں اور میرے معاف فرمانے کی وجہ سے ہی تو اس مقام پر پہنچا ہے۔

فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى ذٰلِكَ غَشِيَتْهُمْ سَحَابَةٌ مِنْ فَوْقِهِمْ، فَأَمْطَرَتْ عَلَيْهِمْ طِيبًا لَمْ يَجِدُوا مِثْلَ رِيحِهِ شَيْئًا قَطُّ، وَيَقُولُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى: قُومُوا إِلَى مَا أَعْدَدْتُ لَكُمْ مِنَ الْكَرَامَةِ، فَخُذُوا مَا اشْتَهَيْتُمْ.

لوگ اسی حال میں ہوں گے کہ ان پر ایک بادل چھا جائے گا اور (اس سے) ایسی خوشبو برسائی جائے گی کہ اس طرح کی خوشبو اس سے پہلے انہوں نے کبھی نہیں سونگھی ہو گی۔ پھر ہمارا پروردگار فرمائے گا: اس انعام واکرام کی طرف اٹھو جو ہم نے تمہارے لیے تیار کر رکھا ہے اور اس میں سے جو تمہارا جی چاہے لے لو۔

پھر ہم بازار میں آئیں گے جہاں فرشتے ہی فرشتے ہوں گے۔ ایسا بازار نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا ہو گا۔ جو چیز ہم چاہیں گے، ہمیں مہیا کر دی جائے گی، (دنیا کی طرح) خرید و فروخت نہ ہو گی۔ اس بازار میں اہلِ جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بلند مرتبے والے آگے بڑھ کر ادنیٰ درجے والوں سے ملیں گے، وہاں کوئی ادنیٰ نہ ہو گا پھر وہ (کم درجے والا) اس کا لباس دیکھ کر بڑا متعجب ہو گا۔ ابھی ان کی گفتگو ختم نہیں ہو گی کہ وہ اپنے جسم پر اس سے بھی زیادہ خوبصورت لباس دیکھے گا اور یہ اس لیے کہ وہاں کسی کو کوئی حزن و ملال نہ ہو گا۔

ثُمَّ نَنْصَرِفُ إِلٰى مَنَازِلِنَا، فَيَتَلَقَّانَا أَزْوَاجُنَا، فَيَقُلْنَ: مَرْحَبًا وَأَهْلًا، لَقَدْ جِئْتَ وَإِنَّ بِكَ مِنَ الْجَمَالِ أَفْضَلَ مِمَّا فَارَقْتَنَا عَلَيْهِ، فَيَقُوْلُ: إِنَّا جَالَسْنَا الْيَوْمَ رَبَّنَا الْجَبَّارَ، وَيَحِقُّنَا أَنْ نَنْقَلِبَ بِمِثْلِ مَا انْقَلَبْنَا۔

پھر ہم واپس اپنے گھروں میں آ جائیں گے۔ ہماری بیویاں ہمارا استقبال کریں گی اور کہیں گی: خوش آمدید، خوش آمدید، آپ واپس آ گئے ہیں، آپ کا حسن و جمال اس وقت سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے جس وقت آپ ہم سے رخصت ہوئے تھے۔ وہ کہے گا: آج ہم اپنے ربِ جبّار کی مجلس میں بیٹھ کر آئے ہیں (جس کی وجہ سے) ہم ایسی ہی نورانی شکل وصورت میں تبدیل ہو جانے کے حق دار تھے۔

(السنن الترمذی، کتاب صفة الجنة، باب ما جاء في سوق الجنة، ۴: ۶۸۵، الرقم: ۲۵۴۹)

پس دنیا میں اللہ سے وفا نبھانے والے اور اپنا دل اللہ کو بیچ کر اس سے تجارت کرنے والوں کو یہ عظیم نعمت حاصل ہو گی۔ دنیا کی زندگی تو چند دن کی ہے مگر اصل زندگی تو قبر کی شام سے شروع ہوتی ہے۔ افسوس کہ ہم چند لمحوں کی زندگی کے لیے سب کچھ برباد کر رہے ہیں، جبکہ وہ زندگی جو قبر کی شام سے شروع ہو گی اور پھر قیامت اور بعد از قیامت تک کی ہے، اس زندگی کے لیے کچھ نہیں کر رہے۔ ہم اللہ سے کیے ہوئے عہد توڑ رہے ہیں، ہماری زبان و اخلاق خراب ہو رہے ہیں اور ہم عبادت و بندگی سے ہر آئے روز غافل ہوتے جا رہے ہیں۔

اللہ سے ملاقات و دیدار کی طلب میں تڑپنا ہی دیدارِ الٰہی ہے

یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم نے اللہ کے ساتھ ہونے والی اس تجارت میں کتنا آگے بڑھنا ہے؟ پس ہم

میں سے ہر شخص اللہ کے ساتھ وفا نبھانے والا ہو جائے اور اپنے آپ کو اس قابل بنائے کہ اللہ اس کے دل میں رہے۔ جن کے دلوں میں اللہ سما جائے، ان کی کیفیات کیا ہوتی ہیں؟ اس کا اندازہ درج ذیل روایت سے ہوتا ہے:

عبد الباری سے روایت ہے کہ میں اپنے بھائی ذوالنون مصری کے ساتھ نکلا، تو ہم نے دیکھا کہ کچھ بچے ایک شخص پر پتھر پھینک رہے ہیں۔ میرے بھائی نے ان سے پوچھا: تم اس سے کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا:

هذا رجلٌ مجنون، ومع ذلك يزعم أنه يرى الله تعالى.

یہ ایک پاگل شخص ہے، پھر بھی دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری اپنے بھائی کے ساتھ اس کے قریب گئے اور دیکھا کہ وہ ایک خوبصورت نوجوان شخص ہے، اس پر عارفوں کی نشانیاں ظاہر تھیں۔ انھوں نے اسے سلام کیا اور کہا:

إنهم يزعمون أنك تدَّعي رؤية الله تعالى.

لوگ کہتے ہیں کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہیں۔

اس نے کہا کہ یہ بات درست ہے۔ حضرت ذوالنون مصری نے پوچھا کہ اُسے کیسے دیکھتے ہو۔۔۔؟ اس پر اس نوجوان نے یہ اشعار پڑھے:

طَلَبُ الحبيبِ من الحبيبِ رضاهُ
ومُنى الحبيبِ من الحبيبِ لقاهُ
أبداً يلاحِظُه بعَينى قلبهِ
والقلبُ يعرفُ ربَّهُ ويراهُ
يرضَى الحبيبُ من الحبيبِ بقربه
دونَ العبادِ، فما يريدُ سِواه

”محبوب سے محبوب کی تلاش اس کی رضا ہے۔ محبوب کی تمنّا محبوب سے ملاقات ہے۔ دل ہمیشہ اس کی نظر میں رہتا ہے اور دل اپنا رب پہچانتا اور دیکھتا ہے۔ محبوب صرف محبوب کے قرب سے راضی ہوتا ہے۔ وہ بندوں میں سے کسی کا قرب نہیں چاہتا اور محبوب کے علاوہ کسی کی تمنا نہیں کرتا۔“

حضرت ذالنون مصری نے اس سے پوچھا: أمجنون أنت؟ کیا تم پاگل ہو۔۔۔؟ اس نے کہا:

أمّا عند أهل الأرض فنعم، وأما عند أهل السماء فلا۔

”زمین والوں کے لیے ہاں، لیکن آسمان والوں کے لیے نہیں۔“

پوچھا: فكيف حالك مع المولى؟

اللہ کے ساتھ تیرا تعلق کیسا ہے؟

اس نے کہا: منذ عرفته ما جفوته۔

”جب سے میں نے اسے جانا، میں نے کبھی اس سے جفا نہیں کی۔“

پوچھا: منذ کم عرفته؟ ”کب سے جانتے ہو؟“

اس نے کہا: منذ جعل اسمی فی المجانین.

”جب سے اس نے میرے نام کو پاگلوں میں شامل کیا گیا۔“

(سیدی احمد الرفاعی، حالۃ اھل الحقیقۃ مع اللہ، ص:11)

پس جس کا دل ہر وقت اللہ کو دیکھنے کی طلب میں تڑپتا رہے اور طلب کبھی ختم ہی نہ ہو، اسی کو ”دیکھنا“ کہتے ہیں کہ اس کے عشق کی کیفیت کبھی ختم ہی نہ ہو۔

دیدارِ الٰہی کے تقاضے

اگر ہم اللہ کے ساتھ اس تجارت میں سنجیدہ ہیں اور اس کی ملاقات و دیدار کے طالب ہیں تو اس کے کچھ تقاضے ہیں، جنھیں پورا کرنا ضروری ہے۔ یہ تقاضے ہمیں اہل اللہ کے احوال سے معلوم ہوتے ہیں:

(1) محبوب کی ناراضگی و بے ادبی سے ڈرتے رہنا

دیدارِ الٰہی کے حصول کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ ہر وقت اس کی ناراضگی اور بے ادبی سے بندہ ڈرتا رہے۔ حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ ایک دن کعبۃ اللہ کے طواف کے دوران میں نے ایک عاشق اور عارف جوان کو دیکھا۔ وہ خستہ حالت میں، زرد چہرے کے ساتھ رو رہا تھا۔ ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا:

تیرا محبوب تجھ سے راضی ہے یا ناراض؟ جوان نے جواب دیا:

راضی ہے، بڑا کریم ہے اور قریب بھی ہے۔

ذوالنون مصری نے پوچھا: پھر یہ خستہ حالی کیوں۔۔۔؟ جوان نے کہا: آپ کو معلوم نہیں، دوری سے زیادہ مشکل؛ قرب کا امتحان ہوتا ہے۔ محبوب قریب ہو تو ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں خطا نہ ہو جائے، بے ادبی نہ ہو جائے اور محبوب ناراض نہ ہو جائے۔

پس ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہیں ، اس کی رضا طلب کریں، ہر وقت اللہ کی محبت میں رہیں اور ہر فعل اور عمل اسی کے احکامات و تعلیمات کے مطابق سرانجام دیں۔

(۲) صحبتِ صالحہ اور اجتماعیت اختیار کریں

دیدار الٰہی کے حصول کا دوسرا تقاضا صحبتِ صالحہ کو اختیار کرنا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں ایک نوجوان کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ میں سے کسی نے کعبۃ اللہ کے طواف کے دوران ایک جوان کو دیکھا جو طواف کے دوران بار بار کعبۃ اللہ کے دروازے پر آتا اور دعا کرتا:

اللھم اصلح اخوانی فقیل لہ لم تدع لك فی ھذا المقام۔

اے اللہ! میرے دوستوں کو نیک کر دے۔ میرے دوستوں کو نیک کر دے! وہ رو رو کر یہی دعا کرتا۔ جب کئی بار اسے یہی دعا دہراتے دیکھا تو اس سے کہا گیا: اے جوان! تم اپنے لیے دعا نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں نیک بنادے بلکہ بھائیوں کے لیے دعا کرتے ہو۔ جوان نے جواب دیا:

ان لی اخوانا ارجع الیھم فان صلحوا صلحت معھم وان فسدوا فسدت معھم۔

اے بھائی جب میں ان میں جاؤں گا اگر وہ صالح ملے تو میں بھی ان کی صالحیت سے صالح ہوں گا اور اگر فسادی رہے تو میں بھی ان کے فساد سے مفسد ہو جاؤں گا۔

یہی وجہ ہے کہ نیک دوست، نیک صحبت اور نیک سنگت اختیار کرنا ضروری ہے۔ اگر دوستی، صحبت، سنگت اور رفاقت نیکوں کے ساتھ ہوگی تو ہر وقت کان میں نیکی، بھلائی اور خوش خلقی کی بات پڑے گی اور ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات سنیں گے۔ جب بار بار اللہ کی بات سنیں گے تو نیکی دل میں اتر جائے گی۔ لہٰذا اگر اس راہ پر چلنا ہے تو تنہائی چھوڑ دیں، جماعت سے وابستہ ہو جائیں، نیک اور صالح اجتماعیت میں آئیں اور نیک رفاقت اور سنگت میں رہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فَإِنَّ يَدَ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ، وَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ أَبْعَدُ۔ (سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، رقم: ۲۱۶۵)

اللہ کی یدُ جماعت کے ساتھ ہے، شیطان اکیلے کے ساتھ ہوتا ہے اور دو کے لیے دور تر ہے۔

گویا کوئی شخص اکیلا ہو تو شیطان اس کے قریب ہوتا ہے، دو ہوں تو شیطان ان سے دور ہو جاتا ہے۔ تین، چار ہوں تو شیطان مزید دور چلا جاتا ہے، بشرطیکہ وہ سنگت نیک

ہو۔ نیک صحبت کا مطلب ہے کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات وتعلیمات اور ہمہ وقت نیکی کی بات سننے کو ملے۔ اس لیے کہ جو بات بار بار سنی جائے، انسان رفتہ رفتہ ویسا ہی بن جاتا ہے۔ جیسے لوہا ہوا میں پڑا رہے تو زنگ آلود ہو جاتا ہے اور اگر بندہ گلاب کے پھولوں کے درمیان ہو تو خوشبو اس میں سرایت کر جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ہمارا ماحول، صحبت اور رفاقت نیک ہو گی، جس میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی بات، ہدایت، آخرت، عشقِ الٰہی، عشقِ رسول ﷺ اور طہارت کی بات ہو گی تو رفتہ رفتہ وہ سب ہمارے اندر بھی رچ بس جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْإِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاةَ الْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ وَإِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ وَعَلَيْكُمْ۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان مفاسد البعد عن الجماعۃ المسلمہ، رقم الحدیث: ۱۸۴)

شیطان انسان کے لیے بھیڑیا ہے، جس طرح بھیڑیا اس بکری کو اچک لیتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو جائے۔ اسی طرح جب کوئی شخص تنہا ہوتا ہے تو شیطان اس پر قابو پاتا ہے اور جب اجتماعیت میں آتا ہے تو شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے۔

اگر ہم صرف اپنے حال میں رہیں، کاروبار، نوکری، لین دین اور معمول کے کام جاری رکھیں اور کسی نیک اجتماع یا صحبت میں شریک نہ ہوں، جہاں سے خیر، ہدایت اور اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی بات سننے کو نہ ملے تو شیطان ہمیں قابو میں لے لے گا۔ اس لیے تنہائی چھوڑیں اور اجتماعیت اختیار کریں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان ید اللہ مع الجماعۃ وان الشیطان مع من فارق الجماعۃ یرتکض۔

اللہ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے اور شیطان اس شخص کے ساتھ ہوتا ہے جو جماعت سے الگ ہو کر بھٹکتا پھرتا ہے۔

(صحیح ابن حبان، کتاب السیر، باب طاعۃ الائمۃ، الرقم: ۴۵۷۷)

ہر کوئی اپنی اپنی جماعت اور تحریک کی دعوت دیتا ہے، ہر کوئی کہتا ہے کہ اس کی جماعت سب سے افضل ہے۔ میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔ اس لئے کہ مجھے یہ کہنے میں حیا آتی ہے کیونکہ نہیں معلوم کہ اللہ کے نزدیک کون اعلیٰ اور مقبول ہے۔۔۔؟ اس لئے میرا پیغام صرف یہ ہے کہ اجتماعیت میں آئیں۔ سب کو سنیں، پڑھیں، دیکھیں اور پھر جہاں خیر، محبت، امن، سکون، وحدت اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ملے، جہاں نفرت، تفرقہ یا انتہاپسندی نہ ہو، وہاں چلے جائیں۔ یعنی جہاں دل مطمئن ہو جائے، اس

اجتماعیت کو اختیار کریں۔ خواہ وہ منہاج القرآن ہو یا کوئی اور جماعت۔ میرا مقصد صرف خیر کی دعوت ہے۔ اگر منہاج القرآن کا پیغام، فکر اور سوچ دل کو پسند آئے، اس میں خیر، محبت اور وحدت نظر آئے تو اسے اپنا لیں۔ اگر کسی اور جماعت میں زیادہ خیر نظر آئے تو اسے اختیار کر لیں لیکن تنہا نہ رہیں، ورنہ شیطان دبوچ لے گا۔ اجتماعیت سے جڑیں تاکہ رہنمائی اور نیکی کی دعوت ملتی رہے۔

علاوہ ازیں مساجد کے ساتھ جڑیں۔ مسجدیں اللہ کے گھر ہیں، وہاں اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ وہاں اچھے بھی آتے ہیں اور کمزور بھی، مگر مسجد بذاتِ خود عبادت اور سجدوں کی جگہ ہے۔ اپنی اولاد کو بھی مسجد سے جوڑیں۔ جتنا مسجد سے تعلق مضبوط ہوگا، اتنا ہی شیطان اور جہنم سے دور رہیں گے۔ اجتماعیت اور مسجد سے وابستگی برائی سے بچائے گی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کیے گئے عہد کو پورا کرنے میں مدد دے گی۔ اگر ان ترجیحات پر عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ زندگی میں خیر پیدا فرمائے گا۔

شیخ الاسلام ڈے: فروری 2026ء میں خصوصی نمبر کی اشاعت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 75 ویں سالگرہ کے موقع پر حسبِ روایت امسال بھی ماہنامہ منہاج القرآن خصوصی نمبر شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر رہا ہے۔ یہ شمارہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی علمی و فکری اور تجدیدی و اصلاحی ہمہ جہتی خدمات پر مشتمل ہوگا۔ علاوہ ازیں اس شمارے میں قومی و بین الاقوامی سطح پر امن و محبت کی ترویج اور بیداریٔ شعور کے لیے کی جانے والی آپ کی خدماتِ جلیلہ کو خراجِ تحسین پیش کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں آپ بھی ماہنامہ منہاج القرآن کو اپنی منفرد اور معیاری تحریریں بھجوا سکتے ہیں۔

شیخ الاسلام ڈے کے موقع پر **مبارکبادی پیغامات** کی صورت میں اشتہارات کی بکنگ بھی جاری ہے۔

آپ اپنے مضامین اور اشتہارات سے متعلقہ اشاعتی مواد مورخہ 10 جنوری 2026ء تک

ماہنامہ منہاج القرآن 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور ارسال کر سکتے ہیں۔

فون: 042-111-140-140 Ext-128، mqmujallah@gmail.com

الفقہ

آپ کے فقہی مسائل

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیر نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: آج کا مسلمان ایمان کی تاثیر سے محروم کیوں ہے؟

جواب: آج کے دور میں ایمان کی تاثیر سے دوری کی بنیادی وجہ نوجوان نسل کا ایمان کے معنی و مفہوم سے ناواقف ہونا اور بحیثیت مجموعی امت مسلمہ کا ایمان کی حفاظت، اس کے تقاضے اور شرائط کو پورا نہ کرنا ہے۔ علاوہ ازیں اسلام دشمن طاقتوں کی نظریاتی، ثقافتی اور جذباتی سہ جہتی یلغار بھی امت مسلمہ کی بالعموم اور نوجوان نسل کی بالخصوص ایمان کی تاثیر سے محرومی کا سبب بن رہی ہے۔ کیونکہ نظریہ کسی بھی قوم، مذہب، تحریک یا تنظیم کے لئے اساسی درجہ رکھتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اقوام نظریے کی بنیاد پر بنتی اور قائم رہتی ہیں۔ جونہی نظریاتی اساس کمزور ہوئی، زوال وانتشار قوموں کا مقدر بن جاتا ہے۔

اس کی ایک سادہ اور عام فہم مثال یہ ہے کہ ایک درخت کی نشوونما کا دارومدار اس کی جڑ پر ہوتا ہے، اور جڑ ہی درخت کی زندگی اور تروتازگی کا ذریعہ ہے اگر جڑ میں نقص واقع ہو جائے تو درخت مرجھانا شروع ہو جائے گا پھر رفتہ رفتہ اس کے پتے، ٹہنیاں، پھل، پھول جس حالت میں ہوں گے بوسیدہ ہو کر زمین پر گر پڑیں گے۔ اگر جڑ مضبوط ہو تو پودا توانا اور پھلدار ہوگا، اس سے خوراک حاصل کرنا دوسروں کے لئے حیات بخشی کا سامان بنے گا۔ بات ساری تاثیر کی ہے، جس طرح درخت میں ساری تاثیر جڑ اور

تنے کی ہوتی ہے، تاثیر اچھی ہو گی تو درخت پھل پھول بھی اچھے دے گا اور اگر تاثیر میں نقص واقع ہو جائے تو درخت خشک ہو جائے گا یہاں تک کہ لوگ اس کو کاٹ کر ختم کر دیں گے۔ اسی طرح نظریہ بھی قوموں کے ثقافتی، تہذیبی، مذہبی اور معاشرتی بقا اور سلامتی کی علامت ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر موجودہ دور میں امت مسلمہ ایمان کی حلاوت پانا اور بحیثیت مجموعی ترقی کرنا چاہتی ہے تو اسے اپنے بنیادی نظریات اپنا کر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنا ہو گا و گرنہ گمراہی و پستی اور ذلت و غلامی اس کا مقدر بن جائے گی۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

إِنَّ اللهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ. (الرعد، ۱۳: ۱۱)

’بے شک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے آپ میں خود تبدیلی پیدا کر ڈالیں۔‘

سوال: نظریاتی حملہ کیا ہے اور اس کا تدارک کیسے ممکن ہے؟

جواب: عصرِ جدید میں مادیت پرستی، جدیدیت اور لبرلزم مکمل طور پر اسلام سے دور کرنے کے باعث بن رہے ہیں۔ یہ حملے جھوٹے افکار و نظریات کی مدد سے کیے جا رہے ہیں۔ دینی تربیت سے بے بہرہ نوجوان جب کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر پہنچ کر مغربی فلسفوں اور نظریات کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ دینی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر مادہ پرستانہ نظریات کی بھول بھلیوں میں کھو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایمان بالغیب، آخرت، نبوت اور رسالت کے بارے میں ان کے عقائد کمزور پڑنے لگتے ہے۔ اس طرح ناپختہ ذہن رکھنے والے نوجوان نہ صرف یہ کہ قرآن وحدیث کی تعلیمات پر کان نہیں دھرتے بلکہ وہ اسلام کے تمام تصورات کو بھی ناقابل عمل سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس نظریاتی حملہ کے نتیجے میں رونما ہو رہا ہے جو اسلام دشمن قوتیں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اہل اسلام کے قلب و باطن پر کر رہی ہیں۔

نظریاتی حملے کا واحد تدارک یہ ہے کہ اسلام کو روایتی انداز کی بجائے سائنسی انداز اور مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کر کے نوجوان نسل کو یہ یقین دلایا جائے کہ فکری، نظریاتی اور استدلالی اعتبار سے اسلام سے بہتر دنیا کا کوئی نظام نہیں ہے۔ انہیں یہ باور کرایا جائے کہ جدید فکر اور نظریے مادیت سے جنم لیتے ہیں جبکہ اسلامی نظریے اور فکر کا سرچشمہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ اور قرآن حکیم کی بنیادی و اساسی تعلیمات ہیں۔ لہٰذا موجودہ نسل کو محض فتوؤں کے زور پر دوزخ کی آگ کے خوف سے اسلام کی طرف بلانے کے بجائے ان کے سامنے ایمان اور اسلام کو اس انداز سے پیش کیا جائے کہ وہ جان لیں کہ تمام مسائل کا حل قرآن و سنت میں موجود ہے۔ اگر ایسا کیا جائے تو پھر

نوجوانوں کے عقائد کی بنیادیں متزلزل ہونے کی بجائے مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جائیں گی۔ کیونکہ بقول اقبال:

نہیں ہے نا امید اقبالؒ اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اسلام کا حقیقت پسندانہ مطالعہ تعلیمات اسلام پر عمل ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے اس حملے کے منفی اثرات کی روک تھام میں مدد ملتی ہے جو انسانی شعور کے راستے سے امت مسلمہ کے ایمان پر وارد ہوتے ہیں۔

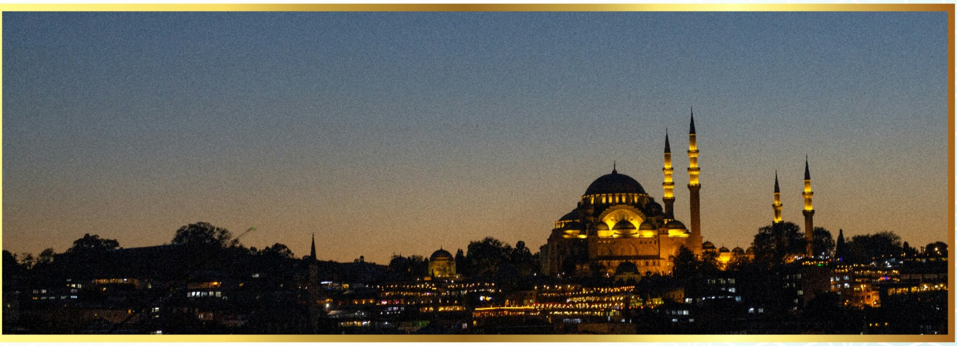

سوال: امت مسلمہ کے خلاف ہونے والے جذباتی حملہ سے بچاؤ کیسے ممکن ہے؟

جواب: مغربی تہذیب و ثقافت کی صورت میں ہونے والے حملے سے مراد ثقافتی حملہ ہے، جس کے زیر اثر نوجوان نسل کے معاشی اور سماجی تصورات زندگی بدل رہے ہیں۔ اخلاقی، عائلی، سماجی اور معاشرتی قدریں کمزور پڑتی جارہی ہیں اور نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ فحاشی، عریانی اور بے راہ روی کے سیلاب نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے جس کے نتیجے میں معاملہ اس حد تک بگاڑ کا شکار ہو گیا ہے کہ بیٹیاں اپنے باپ دادا اور بزرگوں کے سامنے سر ڈھانپنا تو درکنار بے حجاب گھومنے پھرنے میں ذرہ بھر شرم محسوس نہیں کرتیں۔ مغربی تہذیب و ثقافت کی یلغار نے تمام معاشرتی قدروں کو خطرناک اور نام نہاد جدت پسندی کا رخ دے دیا ہے، نتیجتاً شریعت کی گرفت کمزور پڑنے کے باعث ہماری زندگی سے اسلامیت یوں رخصت ہوئی کہ ہم محض نام کے مسلمان رہ گئے اور ہمارا اسلامی تشخص ہماری مسلمانی پر بقول اقبال یوں آہ وزاری کر رہا ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ثقافتی حملہ سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے قدم کے طور پر امت مسلمہ کے اندر بالعموم اور نوجوان نسل کے اندر بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مطہرہ اور سنت طیبہ سے محبت اور قلبی وابستگی پیدا کی جائے اور عملی اسلام کا وہ چہرہ ان کے سامنے پیش کیا جائے جو ان کے لئے کشش کا باعث ہو اور جس سے یہ واضح ہو کہ پیغمبر انسانیت اور ہادی برحق ﷺ نے اعلیٰ، بامقصد زندگی اور تہذیب و ثقافت کے بہترین نمونے اور اخلاقی قدروں کا جو نظام عطا کیا وہ عملی سطح پر دنیا سے افضل ہے۔

آج وقت کی اہم ترین ضرورت نئی نسل کو اسلام کے اصولوں اور تہذیبی و ثقافتی اقدار سے روشناس کرانا ہے۔ اسلامی اقدار کو کمزور کرنے میں جہاں اسلام دشمن طاقتیں برسر عمل ہیں وہاں بعض والدین بھی منفی کردار ادا کر رہے ہیں کیونکہ وہ اپنے بچوں کی بچپن سے ہی ذہنی تربیت غیر اسلامی تہذیبی سانچوں میں ڈھال کر کرتے ہیں۔ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے جب لوہا گرم ہو تو اسے جس طرح چاہے پگھلا کر موڑ سکتے ہیں لیکن اگر آپ کی غفلت کی وجہ سے لوہا ٹھنڈا ہو کر جم گیا تو پھر اس میں کسی طرح کی تبدیلی ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ سب سے اہم ذمہ داری ہمارے علماء، ائمہ مساجد، ادیب، شعراء اور اہل قلم پر بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ اس قیمتی اثاثہ کی حفاظت کریں جو اسلام کی نایاب ترین اقدار اور ثقافت میں پایا جاتا ہے ان پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنے کلام، وعظ اور اپنے دیوان میں اسلام کی روایات و اقدار کو قرآن و سنت کی روشنی میں پروان چڑھائیں۔

جیسا کہ ارشاد گرامی ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.

(بخاري، الصحيح، كتاب النكاح، ۵: ۱۹۸۸، رقم: ۴۸۹۲)

”تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔“

ہر شخص اپنے دائرہ کار کے اندر جوابدہ ہے۔ کوئی گھر کا سربراہ ہے تو اس سے گھر کے معاملات کے بارے میں اور اگر کسی شخص کا اختیار محلے، قصبے، شہر، صوبے اور ملکی سطح تک ہے تو اس کی جواب طلبی کا دائرہ ان تمام سطحوں تک پھیلا ہوا ہو گا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے عملی نظام کو گھر کی سطح سے لے کر اجتماعی اور ملکی سطح پر نافذ کر دیا جائے تاکہ دور جدید کی تہذیب و ثقافت کی تند و تیز آندھیوں سے نوجوان نسل کے ایمان کی بجھتی ہوئی شمع کو محفوظ کیا جاسکے۔

سوال: کیا ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے؟

جواب: ایمان تجزی یعنی جزئیات کو قبول نہیں کرتا، اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی بلکہ اعمال صالحہ اور خیر و تقویٰ سے ایمان کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے، جبکہ اعمالِ بد اور شر و فساد سے ایمان ضعف یعنی کمزوری کا

شکار ہو جاتا ہے۔ درج ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے کہ مومنین کا ایمان اعمالِ صالحہ سے قوت پاتا ہے:

سورۃ آل عمران میں ارشاد ربانی ہے:

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُواْ لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَاناً وَقَالُواْ حَسْبُنَا اللّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔ (آل عمران، ۳: ۱۸۳)

”(یہ) وہ لوگ (ہیں) جن سے لوگوں نے کہا کہ مخالف لوگ تمہارے مقابلے کے لئے (بڑی کثرت سے) جمع ہو چکے ہیں۔ سو ان سے ڈرو۔ تو (اس بات نے) ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے، اور وہ کیا اچھا کارساز ہے۔“

اسی طرح سورۃ الانفال میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ۔ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ۔ (الانفال، ۸: ۲-۴)

”ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب (انکے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل (اس کی عظمت و جلال کے تصور سے) خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (کلامِ محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت آفریں باتیں) ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں۔ اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں (اور کسی غیر کی طرف نہیں تکتے)۔ (یہ) وہ لوگ ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے، اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ (حقیقت میں) یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کی بارگاہ میں (بڑے) درجات ہیں اور مغفرت اور بلند درجہ رزق ہے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کا اقرار کرے اور اس کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو تو اسے دوزخ سے ضرور آزاد کیا جائے گا۔ اور جو شخص لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کہے اور اس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر (بھی) ایمان ہو تو اسے بھی دوزخ سے نکالا جائے گا۔ اور جس نے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ پڑھ لیا اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی نیکی ہو تو اسے (بھی) دوزخ سے نکالا جائے گا، حتیٰ کہ جس شخص نے زندگی میں صرف ایک مرتبہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کہا ہو گا اسے بھی بالآخر جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

(بخاري، الصحیح، زیادۃ الایمان ونقصانہ، ۱: ۲۴، رقم: ۴۴)

معراجِ مصطفی ﷺ
انسانی معراج کی اساس

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی

نسلِ انسانی کی تاریخِ ارتقاء میں معجزۂ معراج مصطفی ﷺ کو ایک بنیادی اور اساسی اہمیت حاصل ہے۔ یہ انسانی تاریخ کا ایک ایسا سنگ میل ہے جس کو چھوئے اور بوسہ دیئے بغیر کوئی اعلیٰ وارفع منزل طے نہیں ہوسکتی اور عروجِ آدمِ خاکی کا کوئی خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ سفرِ معراج رسول اللہ ﷺ کا وہ عظیم معجزہ ہے جس پر انسانی عقل آج بھی انگشت بدنداں ہے اور سراپا حیرت اور استعجاب کی تصویر بنے ہوئے ہے۔

انسانی عقل جوں ہی اس سفر کی تفصیلات کو پڑھتی اور جانتی ہے تو پھر سوال پر سوال کرتی ہے کہ یہ کیسے ہوا؟ حیرانی اور حیرت کی بنیاد یہ ہے کہ سفرِ معراج کی کل مدت رات کا ایک قلیل حصہ ہے جبکہ اس میں صرف جو زمینی سفر (مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ) ہے وہ بھی عقلی طور پر کئی ایام تقاضا کرتا ہے۔ اس وقت کے ظاہری عالمِ اسباب میں یہ ناممکن تھا اور اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر اور مثال بھی موجود نہ تھی، اس لیے مادی عقل یہ واقعہ اور رودادِ سفر سن کر اس کا انکار کر بیٹھی اور پھر اس عقل کو اس سفرِ معراج کی مکمل روداد نے مزید پریشان کردیا کہ یہ سفر صرف مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ (مرحلہ اسریٰ) تک کا نہ تھا بلکہ اس کے بعد دوسرا مرحلہ ''معراج'' ہے جو بیت المقدس سے شروع ہوکر ساتوں

آسمانوں کی مرحلہ وار سیر کے بعد سدرۃ المنتہیٰ پر ختم ہوتا ہے اور اس کے بعد تیسرا مرحلہ ''اعراج'' ہے جو سدرۃ المنتہیٰ سے مقامِ قاب قوسین او ادنیٰ تک ہے۔

معجزۂ معراج النبی ﷺ عقل کے پیمانوں پر آنے والا نہیں ہے۔ عقل سے جس بھی زمانے میں پوچھیں گے تو وہ واقعہ معراج کا انکار کرے گی۔ اگرچہ یہ زمانہ سائنس و ٹیکنالوجی کا ہے، طیِ مکانی اور طیِ زمانی کی بہت سی حدوں کو عبور کر چکا ہے، بہت سے ناممکنات کو ممکنات میں بدل چکا ہے، تسخیرِ ارض سے تسخیر ماہتاب اور دیگر سیاروں کو تسخیر کر چکا ہے مگر اس کے باوجود انسان سفرِ معراج کی برق رفتاری کی ابھی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکا، اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ سفرِ معراج معجزہ ہے اور معجزہ کا ادراک کبھی عقلِ انسانی نہیں کر سکتی۔ عقل معجزہ کے سامنے بے بس ہوتی ہے اور معجزہ عقل کے دائرۂ ادراک میں آتا ہی نہیں۔ معجزہ اپنی تعریف میں ہی عقل کی بے بسی کا اظہار کرتا ہے:

امر خارق العادة يعجز البشر عن ان ياتوا بمثله۔

''معجزہ اس خارقِ عادت چیز کو کہتے ہیں کہ جس کی مثل فرد بشر لانے سے عاجز آجاتا ہے۔''

معجزے پر نبی و رسول کی صداقت اور حقانیت کا قیام ہے، اس لیے اس کی مثل لانا انسانوں کے لیے ناممکن ہوتا ہے۔ معجزہ اگرچہ نبی و رسول کے ہاتھوں اور وجود سے ظاہر ہوتا ہے مگر حقیقت میں یہ اللہ کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لیے اہل سیر نے بیان کیا ہے:

المعجزة عبارة عن اظهار قدرة الله سبحانه على يد نبى بحيث يعجز اهل عصره عن ايراد مثلها۔ (الشفاء، ۱: ۳۴۹)

''معجزہ اللہ کی قدرت کا اظہار ہے جو کہ نبی اور رسول کے ہاتھوں سے ہوتا ہے تاکہ وہ اہلِ زمانہ کو اس کی مثل لانے سے عاجز کر دے۔''

سفرِ معراج: قدرتِ الٰہیہ کا اظہار

سفرِ معراج کے حوالے سے انسان کی منکر عقل کو باری تعالیٰ نے جواب قرآن مجید میں خود عطا کیا ہے کہ اے انسانی عقل! اس سفرِ معراج کا انکار نہ کر، اس لیے کہ اس سفر معراج میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ اور وہاں سے سات آسمانوں، سدرۃ المنتہیٰ، قاب قوسین اور لامکاں تک جانے کا دعویٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نہیں کر رہے بلکہ یہ دعویٰ میری طرف سے ہے اور میری ذات وہ ہے جو ہر نقص، عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔ میں اپنی قوت و طاقت کے ساتھ اپنے بندۂ خاص کو رات کے قلیل حصے میں لے کر گیا۔ ارشاد فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ (بنی اسرائیل، ۱۷: ۱)

’’وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی‘‘۔

اس آیہ کریمہ کے ایک ایک لفظ نے ذہن انسانی میں پیدا ہونے والے ہر اعتراض کا خاتمہ کر دیا ہے کہ یہ سفر اللہ کی قدرتِ کاملہ اور اس کی خدائی قوت و طاقت سے سرانجام پایا ہے۔ وہ علیم و خبیر رب جانتا ہے کہ اس دعویٰ معراج کو عقل کا پجاری تسلیم نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ شہرِ مکہ میں ہر شخص صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح پیکرِ تسلیم و رضا نہیں ہے۔۔۔ ہر کوئی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھ رکھنے والا نہیں ہے۔۔۔ ہر کوئی عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسا حیادار اور اہلِ ایمان نہیں۔۔۔ اور ہر کوئی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسا وفادار اور جانثار نہیں ہے بلکہ اسی شہر میں ابو جہل اور ابو لہب بھی رہتے ہیں اور دوسرے کافر و مشرک بھی بستے ہیں۔ وہ حسد کے باعث اعتراض کریں گے اور انکار کریں گے اور طرح طرح کے عیب و نقص ڈھونڈیں گے۔ سفرِ معراج کا دعویٰ بہت بڑا دعویٰ تھا، اس لیے باری تعالیٰ نے چاہا کہ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ دعویٰ آپ نہ کریں بلکہ میں خود لفظ ’’سبحان‘‘ کے ساتھ اس سفر پر آپ کو لے جانے کا دعویٰ کرتا ہوں تاکہ اعتراض کرنے والی ساری زبانیں خاموش ہو جائیں کہ سفرِ معراج پر جانے کا دعویٰ آپ نہیں بلکہ میں کر رہا ہوں کہ عالم بیداری میں آپ کو پیکرِ بشری کے ساتھ میں نے سیر کرائی ہے۔

پس اس دعویٰ معراج کا انکار کرنا، اللہ کے دعویٰ کا انکار کرنا ہے۔ اسی حکمت کے پیشِ نظر باری تعالیٰ نے اپنے کلام کو رسول کے نام سے نہیں بلکہ اپنی صفت سُبْحٰنَ سے شروع کیا اور اس دعویٰ کی نسبت سراسر اپنی ذات کی طرف کی ہے۔

بیانِ معراج میں اللہ نے اپنا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کا ذکر ہی نہیں فرمایا

مذکورہ آیت کریمہ (الاسراء: ۱) میں الذی اور بعبدہ کے الفاظ بھی قابلِ غور ہیں۔ باری تعالیٰ نے واقعہ معراج کا تذکرہ بڑے حسین پیرائے میں کیا ہے مگر اس رب نے نہ صراحتاً اپنا نام لیا ہے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صراحتاً ذکر کیا ہے بلکہ اشارے اور کنائے میں بات کی ہے کہ ’’پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندہ خاص کو‘‘۔ اشارے کی بات محبت کی شدت اور اپنائیت کو ظاہر کرتی ہے۔ گویا الذی کہنے میں رب کے چاہے جانے کی بات ہے اور بعبدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاہے جانے کی بات ہے۔

لفظ الذی کا عمومی اطلاق ہر کسی پر ہو سکتا ہے مگر جب الذی لفظ سُبْحٰن کے ساتھ آئے تو یہ واضح کر رہا ہے یہاں اس الذی کا بیان ہے جو ہر عیب سے پاک اور ہر نقص اور کجی و کمی سے ماوراء ہے۔ اسی

طرح عبد کا اطلاق ہر شے پر ہوتا ہے۔ کائنات میں ہر شے عبد ہے۔ ارشاد فرمایا:

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۔

”آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی (آباد) ہیں (خواہ فرشتے ہیں یا جن وانس) وہ اللہ کے حضور محض بندہ کے طور پر حاضر ہونے والے ہیں۔“ (مریم، ۱۹: ۹۳)

مگر یہاں عبد عام کا نہیں بلکہ عبد خاص کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ عبد جس کو کل جہانوں کے لیے رب نے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔۔۔ وہ عبد جو اپنی عبدیت میں نقطہ کمال پر فائز ہو چکا ہے۔۔۔ اور وہ عبد جو سلسلہ نبوت ورسالت میں ختم نبوت اور امام الانبیاء کے منصب پر فائز ہو چکا ہے۔

معراج اور شانِ عبدیت

باری تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں عبدہ کی جگہ نبیہ اور رسولہ کے الفاظ استعمال نہیں کیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ نبوت ورسالت کا وصف اس وقت بھی جدا نہیں تھا مگر یہ سفر آپ ﷺ کی شانِ عبدیت کے ساتھ طے ہوا ہے۔ رسالت اور نبوت مخلوق کے لیے ہے جبکہ بندے کی عبدیت اللہ کے لیے ہے۔ نبوت ورسالت کا تقاضا یہ ہے کہ جب نبی ورسول قربِ خداوندی کی لذتوں سے آشنا ہوں تو ان کے ساتھ ساتھ ان کی امت بھی قربتِ خداوندی کی یہ لذتیں اور حلاوتیں پائے جبکہ اس کے برعکس عبدیت میں بندہ مخلوق سے خالق کی طرف سفر کرتا ہے، وہ شانِ عبدیت میں اللہ کی محبت اور اس کے مشاہدۂ جمال میں غرق ہوتا ہے اور اسی کے ذکر و فکر میں ڈوبا رہتا ہے اور جب وہ اللہ کی ذات میں گم اور فنا ہو جاتا ہے تو وہ عبدُہ بن جاتا ہے۔ اسی لیے اقبال نے کہا:

عبد دیگر عبدہ چیزے دیگر
ایں سراپا انتظار او منتظر

رسول اللہ ﷺ کا سفر معراج خلق سے خالق کی طرف ہوا ہے، اس لیے باری تعالیٰ نے لفظ بعبدہ قرآن میں استعمال کیا، اس میں قربِ خداوندی اور وصلِ الٰہی کی حلاوتیں اپنے پورے کمال کو پہنچی ہوئی تھیں۔

لفظ عبد کا اطلاق انسان پر اس وقت ہوتا ہے جب یہ جسم اور روح کا مجموعہ ہو۔ اگر جسم زمین پر رہے اور فقط روح سفر کرے تو پھر عبد نہیں کہلاتا۔ عبد استعمال کر کے باری تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واضح کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ سفرِ معراج جسد مع الروح یعنی پیکرِ بشری کے ساتھ اور حالتِ بیداری میں ہوا ہے۔ یہ سفرِ معراج محض حسنِ اتفاق نہ تھا بلکہ یہ چاہت کا سفر تھا۔ یہ محبت و مودّت کا

سفر تھا اور یہ عظمت و رفعت کا سفر تھا۔ یہ تمام انبیاء و رسل کی ایک آرزوؤں کی تکمیل کا سفر تھا کہ ھو اللہ احد کو احدیت کے جلوؤں میں دیکھا جائے اور اس کے حسنِ مطلق کی دید کی جائے۔ یہ ایسا سفر تھا جس نے ارتقائے نسل کے سفر کے ماتھے کا جھومر بننا تھا جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال نے کہا:

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفی سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

عبدہ کا لفظ استعمال کر کے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ یہ عبد عام کا سفر نہیں بلکہ یہ عبد خاص کا سفر ہے۔ وہ عبد خاص جو اس کائنات میں صناع ازل کا شاہکار ہے اور جو بے مثل و بے مثال ہے۔۔۔ جس کے بشری وجود کو ہر عیب سے پاک کیا ہے اور ہر نقص سے مبراء کیا ہے۔۔۔ جس کو ہر کجی سے بچایا ہے اور جس کو ہر کمی سے منزہ کیا ہے۔۔۔ جس کو جس بھی نگاہ سے دیکھا جائے، وہ کمال کے ہر پیمانے اور حسن کی ہر کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔

سفرِ معراج کے لیے رات کا انتخاب کیوں؟

اس آیہ کریمہ میں لفظ لیلاً استعمال ہوا ہے کہ یہ سفرِ معراج رات کے وقت ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس سفر معراج کے لیے رات کے وقت کا انتخاب کیونکر ہوا ہے؟ یاد رکھیں! تحصیلِ نعمت اور حصولِ مقصد کے لیے رات کا وقت دن سے افضل ہوتا ہے۔ رات میں خلوت کا سامان ہوتا ہے، دن

میں جلوت ہوتی ہے۔ رات کی خلوت قربتِ الٰہی اور معرفتِ خداوندی کے لیے رقت انگیزی دیتی ہے۔ اہل اللہ کو رات کی خلوت سے پیار ہوتا ہے اور اس میں وہ اللہ کے انعامات اور اس کی بخشش و مغفرت کی خیرات پاتے ہیں اور اس کی رحمت کے نزول کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس لیے باری تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے اپنی سب سے بڑی نعمت اور اپنا زندہ و جاوید کلام قرآن حکیم بھی رات کی ساعتوں میں نازل کیا ہے اور رات کے دامن میں ہی اپنے حبیب ﷺ سے ملاقات بصورتِ صلوۃ تہجد کا وقت مختص کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ۔ (الاسراء، ۱۷: ۷۹)

”اور رات کے کچھ حصہ میں (بھی قرآن کے ساتھ شب خیزی کرتے ہوئے) نماز تہجد پڑھا کریں یہ خاص آپ کے لیے زیادہ (کی گئی) ہے۔“

بعض راتوں کی چند ساعتیں ہزاروں دنوں پر فائق ہوتی ہیں۔ جیسے لیلۃ القدر کو یہ شرف بخشا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلامی کے لیے بھی اربعین لیلۃ (چالیس راتوں) کا انتخاب کیا ہے۔ پس اس لیے اپنے محبوب کو فکان قاب قوسین او ادنیٰ پر فائز کرنے اور دیدارِ الٰہی کی سب سے بڑی نعمت عطا کرنے کے لیے بھی باری تعالیٰ نے رات ہی کا انتخاب کیا ہے۔

قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی اور مقامِ مصطفی ﷺ

اس سفرِ معراج میں حضرت جبرائیل امین مکہ سے بیت المقدس اور پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں کے سفر اور پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ کے سفر تک رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے مگر جب سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جانے کا وقت آیا تو جبرائیل امین نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

لو دنوت اغسلة لاحترقت۔ (روح البیان، ۹: ۲۱۷)

”اگر میں پور برابر بھی آگے بڑھوں تو جل جاؤں گا۔“

یا رسول اللہ میری یہی منزل ہے اور اس سے آگے جانے کی مجھے اجازت نہیں۔ اگر اس مقام سے تھوڑا سا بھی آگے گیا تو میرے پر جل جائیں گے۔ اس سے آگے رسول اللہ ﷺ کے لیے سواری رفرف لائی گئی اور وہاں سے آگے لامکاں کا سفر شروع ہوا حتی کہ آپ ﷺ ثم دنی فتدلی (پھر وہ ربّ العزّت اپنے حبیب محمد ﷺ سے قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوگیا) کی منزل پر فائز ہوئے۔

جب رسول اللہ ﷺ دنی فتدلیٰ کے مقام پر فائز ہوئے تو اس کی بھی عقلی توجیہ ہمیں سمجھ آتی ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو مہمان بلاتا ہے تو وہ آنے والے مہمان کا آگے بڑھ کر استقبال کرتا ہے۔ بلاتشبیہ و بلامثال شبِ معراج میں بھی باری تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اپنے پاس بلایا تھا، اس لیے فرمایا کہ یہاں تک آپ چل کر آئے ہیں، اب آپ ٹھہر جایئے! دستورِ میزبانی کے مطابق میری رحمت بندہ نوازی کرتے ہوئے اے محبوب تیرا استقبال کرے گی تاکہ تیری عظمت اور محبوبیت کا اظہار ہو۔ اس لیے فرمایا:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى۔ (النجم، ۵۳: ۸)

’’پھر وہ (ربّ العزّت اپنے حبیب محمد ﷺ سے) قریب ہوا۔ پھر اور زیادہ قریب ہو گیا۔‘‘

دنی کا معنی قرب ہے اور تدلی کا معنی قریب ہونا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ دنی میں تین حروف ہیں جبکہ تدلی میں چار حروف ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کثرتِ حروف کثرتِ معنی پر دلالت کرتا ہے اور قلتِ حروف قلتِ معنی پر دال ہیں۔ دنی فعلِ مصطفی ہے اور تدلی فعلِ خدا ہے۔۔۔ دنی قرب مخلوق کو ظاہر کرتا ہے جو کہ محدود ہے جبکہ تدلی قربِ خدا کو ظاہر کرتا ہے جو لامحدود ہے۔۔۔ رسول اللہ کے دنی فعل کا جواب باری تعالیٰ نے اپنی شان کے مطابق تدلی سے عطا کیا ہے۔ اس لیے کہ اس کی شان یہی ہے کہ جب بندہ بالشت بھر اس کے قریب ہوتا ہے تو وہ زراع بھر بندے کے قریب ہوتا ہے۔ حدیث قدسی ہے:

من تقرب منی شبراً تقربت منه ذراعاً۔

جو مجھ سے بالشت کے برابر قریب ہوتا ہے تو میں اپنی شان کے مطابق ایک ذراع (ایک گز) بندے کے قریب ہوتا ہوں۔ (صحیح بخاری، کتاب التوحید)

اسی طرح باری تعالیٰ نے یہاں دنی کا جواب تدلی کی صورت میں دیا ہے۔

ثم دنی فتدلیٰ میں قُرب کا ذکر دو دفعہ آیا ہے۔ شیخ شیرازی بقلی اور دیگر عرفا بیان کرتے ہیں کہ ثم دنی کی صورت میں باری تعالیٰ نے اپنی صفات کی تجلیات کا اتنا قرب رسول اللہ ﷺ کی صفات کو عطا کیا ہے کہ صفاتِ محمدیہ پر صفاتِ الٰہیہ کا رنگ چڑھ گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ صفاتِ الہیٰہ کے مظہرِ اتم بن گئے اور یوں رسول اللہ ﷺ کی صفات کو معراج نصیب ہوئی اور پھر قربِ صفات کے بعد باری تعالیٰ نے فَتَدَلّٰى کے مصداق اپنی تجلیاتِ ذات کے قرب کو آپ ﷺ کی ذات کی طرف متوجہ کیا تو آپ ﷺ کی ذات تجلیاتِ ذاتِ الٰہی سے یوں مستنیر ہوئی کہ آپ نے چشمِ سر اور چشمِ دل سے خدا کا دیدار کیا۔ یہ قربِ ذات تدلی کے فعل سے ظاہر ہوا۔

جب رسول اللہ ﷺ صفات الٰہیہ اور تجلیاتِ ذاتِ الٰہیہ کا مظہرِ اتم بن گئے تو اب آواز آئی کہ حبیب مکرم ﷺ آگے بڑھیے! آپ ﷺ! آگے بڑھے یہاں تک محبوب اور محب کے درمیان فاصلہ کم ہوتے ہوئے قاب قوسین (دو کمانوں) کے برابر رہ گیا اور وہ منزلِ قرب آگئی جو سفرِ معراج کا نقطہ کمال تھا۔ اس قرب کے باوجود محب و محبوب کے درمیان فرق قائم رہا۔ یہ عبد رہے، وہ معبود رہا۔۔۔ یہ مخلوق رہے اور وہ خالق رہا۔

قاب قوسین کے بعد قرآن خاموش نہیں ہوگیا۔ اس لیے کہ اگر قاب قوسین تک بات متعین ہو جاتی تو قرب متعین ہو جاتا۔ باری تعالیٰ اپنے اور اپنے محبوب کے درمیان ان فاصلوں کو بھی مٹانا چاہتا ہے، اس لیے ساتھ ہی فرمایا: او ادنیٰ، یعنی دو کمانوں کی مثال تو لوگوں کو سمجھانے کے لیے استعمال کی، وگرنہ محب اور محبوب کے درمیان فاصلہ اس سے بھی کم تر (او ادنیٰ) ہے۔ او ادنیٰ سے پہلے الیٰ اور حتی کا حرف بھی استعمال نہیں کیا تاکہ قرب کی کوئی آخری حد مقرر ہی نہ ہو کہ فاصلہ کتنا کم ہوا۔ او ادنیٰ کا لفظ ہمیں بتا رہا ہے کہ محب اور محبوب کے درمیان تمام فاصلے ختم ہو گئے صرف اتنا فرق رہا کہ یہ عبد رہا اور وہ معبود رہا۔۔۔ یہ مخلوق رہا اور وہ خالق رہا۔۔۔ یہ مملوک رہا اور وہ مالک رہا۔۔۔ اس کے علاوہ بقیہ سب فاصلے اور فرق مٹا دیئے۔

اس مقامِ قرب پر اس حسنِ مطلق اور اس کے جلوؤں کی دید میں شانِ محبوبیت یہ تھی کہ مازاغ البصر وما طغیٰ، نگاہِ محبوب نہ ہٹی اور نہ ہی حد سے بڑھی اور وصال و دید کا عالم یہ تھا کہ چشمِ نظارہ ایک لحظہ بھی جمال جہاں آراء سے نہ ہٹنے پائی اور احدیت اور احمدیت کی قوسین اس طرح مل گئیں کہ دونوں ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو گئے کہ درمیانی فاصلے مٹ گئے۔

یوں شب معراج باری تعالیٰ نے اپنے بندہ خاص اور رسول آخرالزماں ﷺ پر اپنی عنایات کی اتنی بارش کی اور اس قدر عظمتیں اور رفعتیں عطا کیں کہ آج تک کسی اور رسول اور نبی کو یہ اعزاز، شرف اور یہ رفعت حاصل نہ ہو سکی اور نہ قیامت تک کسی اور کو حاصل ہو سکے گی۔ اس مقامِ خاص پر اللہ نے اپنے بندۂ خاص سے جو کلام کیا، قرآن اسے یوں بیان کرتا ہے:

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی (النجم، ۵۳: ۱۰)

"پس (اُس خاص مقامِ قُرب و وصال پر) اُس (اللہ) نے اپنے عبدِ (محبوب) کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی فرمائی۔"

الغرض جو دینا تھا وہ دیا اور جو بتانا تھا وہ بتایا۔

خلاصۂ کلام

یونانی فلاسفر زنے علم کے ادراک کا ذریعہ عقلِ انسانی کو قرار دیا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ اس بات کا بھی انکار نہ کر سکے کہ انسانی زندگی میں ہزاروں حقائق ایسے بھی ہیں جنھیں عقلِ انسانی سمجھنے سے قاصر ہے۔ انسان ہر دور میں اپنی عقل کو فیصلہ کن سمجھتا رہا ہے اور آج بھی سمجھ رہا ہے مگر معجزاتِ انبیاء کو عقل و شعور کے پیمانوں پر نہیں پرکھا جا سکتا۔ اس لیے کہ عقلِ انسانی اس حقیقت کو نہیں جان سکتی کہ چاند کسی ہستی کے انگلی کے اشارے سے کیسے دو لخت ہو سکتا ہے اور کنکریاں کیسے کسی کے حکم پر کلمہ پڑھ سکتی ہیں۔ آپ ﷺ رات کے قلیل حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور وہاں سے آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ اور وہاں سے لامکاں کا سفر کر کے اور قاب قوسین او ادنیٰ کی منزل پر فائز ہو کر ایک ہی رات کے کچھ حصے میں واپس کیسے واپس آ گئے۔

عقلِ انسانی تمام معجزات پر حیراں اور پریشان ہوئی اور سوچتی ہی رہ گئی۔ یہ سارے معجزات انسان کے حواسِ خمسہ کے ادراک سے باہر تھے، اس لیے پہلے بے دھڑک انکار کر دیتے تھے مگر اب جدید زمانے نے حواسِ خمسہ کو خارجی ذرائع سے تقویت دی ہے۔ اب انسان خوردبین (Microscope) دوربین (Telescope) اور سراغ رساں آلہ (Micro Wave Detector) کے ذریعے ان دیکھی مخلوقات کو جاننے لگا ہے اور لاکھوں نوری سال کی مسافت پر پیدا ہونے والے سیاہ شگافوں (Black Holes) کا مشاہدہ کرنے لگا ہے اور طرح طرح کی حیرت انگیز ایجادات کے ذریعے یہ انسان کرۂ ارضی سے کروڑوں اور اربوں میل کی مسافت پر وقوع پذیر ہونے والے کائناتی تغیرات کا مشاہدہ کر رہا ہے اور ان مشاہدات کے نتیجے میں اہلِ زمین کی سلامتی، بقاء اور نفع کے منصوبے بنا رہا ہے۔ انٹرنیٹ اور موبائل کے ذریعے اس نے دنیا کو گلوبل ولیج میں بدل دیا ہے۔ اب یہ انسان اپنے نظام شمسی سے بھی بہت دور خلا کی بے انتہا وسعتوں میں انسانی آبادیوں کے قیام کا آرزومند ہے۔

اب عقلِ انسانی سائنس و ٹیکنالوجی کی محیر العقول ایجادات کی بنا پر جزوی طور پر معجزات کی قائل ہو رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نبوت قیامت تک کے لیے ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کو جو معجزات عطا کیے گئے وہ قیامت تک تمام زمانوں کی ضروریات کی تکمیل کرنے والے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے معجزات سائنس و ٹیکنالوجی کے دروازے پر قبولیت کے لیے دستک دے رہے ہیں اور اب قیامت تک عقلِ انسانی سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں جتنی بھی ترقی کرے گی وہ رسول

اللہ ﷺ کے معجزۂ معراج کا فیض ہوگا اور آج سائنس نے جتنی بھی حیران کن ایجادات کرلی ہیں اور ان ساری ایجادات و اکتشافات کی بنا پر عقلِ انسانی کے پاس معجزہ معراج النبی ﷺ کو جھٹلانے کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔

اگر آج کے انسان کے لیے خلاؤں کا سینہ چیر کر چاند پر قدم جمانا اور اپنے نظام شمسی کی آخری بلندیوں کو چھونا ممکن ہے تو ذات مسبب الاسباب کی عطا کردہ روحانی قوت کے ذریعے سرور کائنات ﷺ کا آسمانوں کی وسعتوں کو چیرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ اور قاب قوسین تک پہنچنا کیسے اور کیونکر ممکن نہیں ہے۔ اس لیے حقیقت یہ ہے کہ آج کے انسان کی ہر ترقی کی بنیاد، اس کی ہر بلندی کی اساس، اس کے ہر کمال کا راز، اس کی ہر رفعت و عظمت کی بنا اور اصل صرف اور صرف معراج مصطفی ﷺ ہے۔

آج اسی سائنس و ٹیکنالوجی کے حامل انسان کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتے ہوئے اقبال نے کہا:

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفی سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

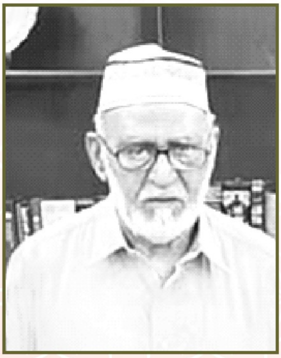

انتقال پُرملال

گذشتہ ماہ محترم ملک فضل حسین (سابق ڈائریکٹر اکاونٹس، منہاج القرآن انٹرنیشنل) قضائے الٰہی سے انتقال فرماگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم تحریکِ منہاج القرآن کے اوائل دور کے باوفا رفقاء میں سے تھے اور عرصہ دراز تک مرکز پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مشن کے لیے ان کی خدمات ہر اعتبار سے قابلِ تحسین اور قابلِ تقلید ہیں۔ مرحوم نے عمرِ عزیز کا ہر لحہ مشنِ مصطفوی کی ترویج اور منہاج القرآن کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھا اور آخری سانس تک مشن کے ساتھ وابستہ رہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، ناظم اعلیٰ خرم نواز گنڈا پور اور تحریک کی جملہ مرکزی قیادت نے مرحوم کے انتقال پر رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے ان کی مغفرت و بخشش کی دعا کی۔ اللہ رب العزت اُن کے درجات بلند فرمائے، ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے اور انھوں نے مشن مصطفوی کی سربلندی کے لیے جو خدمات انجام دیں، اللہ رب العزت انھیں توشہ آخرت بنائے، اللہ تعالیٰ سوگوار خاندان کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین ﷺ

شبِ برأت

مقصدِ حیات کی ازسرِ نو تلاش

ڈاکٹر حافظ ظہیر احمد الاسنادی
سینئر ریسرچ سکالر
فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، لاہور

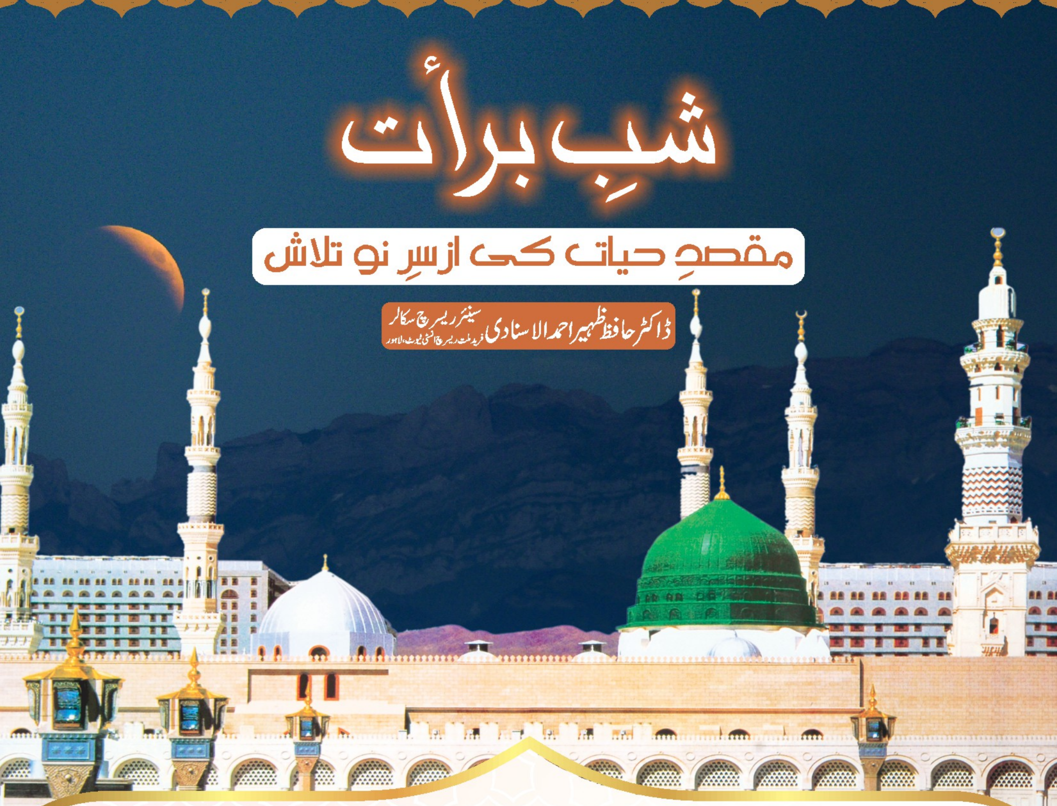

انسان کی زندگی محض چند سانسوں، چند خواہشوں اور چند وقتی کاوشوں کا مجموعہ نہیں ہے۔ انسان اپنی اصل میں ایک معنوی ہستی ہے، جس کا تعلق زمین سے بھی ہے اور آسمان سے بھی۔ لیکن دنیا میں کامیابی کے حصول میں مصروف انسان اکثر اپنے اصل مقصدِ حیات کو بھول جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کی زندگی میں کچھ خصوصی اوقات، مبارک لمحات اور ساعتوں کو پیدا کیا ہے جن میں انسان اپنی اصل کی طرف لوٹ سکے۔ ان لمحات میں شبِ برأت ایک نمایاں روحانی موقع ہے۔ ایک ایسی رات جس میں اللہ تعالیٰ خود اپنے بندے کے دل کے دریچوں پر دستک دیتا ہے اور بندہ اگر توجہ سے وہ صدا سن لے تو اس کی پوری زندگی بدل سکتی ہے۔ خوش قسمتی سے شبِ برأت کی ازسرِ نو آہٹ سنائی دے رہی ہے۔

احادیث میں یہ بات بارہا آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات اپنے بندوں کی طرف خصوصی نظرِ رحمت فرماتا ہے۔ شب برأت دلوں کی تطہیر اور زندگی کی ازسرِ نو ترتیب کی رات ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَيَطَّلِعُ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ۔ (ابن ماجہ، رقم: ۱۳۹۰)

”اللہ تعالیٰ 15 شعبان کی رات اپنی مخلوق پر خاص نظر فرماتا ہے اور مشرک اور کینہ پرور کے سوا

سب کی مغفرت فرمادیتا ہے۔“

اس حدیث مبارک میں غور طلب دو نکات ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی یہ رات اعمال سے زیادہ دل کی شفافیت چاہتی ہے۔ یہ رات بتاتی ہے کہ مقصدِ حیات دنیا کی پاکیزگی اور آخرت کی کامیابی ہے۔

۲۔ کینہ اور نفرت مقصدِ حیات کی راہ کا سب سے بڑا پردہ ہے۔ حدیث نبوی کے مطابق دو لوگوں کو معافی کے دروازے سے باہر رکھا گیا: مشرک اور کینہ پرور۔ کیوں؟ کیونکہ دل کا بگاڑ مقصدِ زندگی کو مسخ کر دیتا ہے۔ کینہ، غرور، نفرت یہ سب رزائلِ اخلاق ہیں جو انسان کے مقصد کو گدلا کر دیتے ہیں۔ شبِ برأت ہمیں معاف کرنا، دل صاف کرنا، رشتے جوڑنا اور نفرتوں کے بوجھ اتارنا سکھاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں مقصدِ زندگی ایک جملے میں سمجھا دیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔

”اور میں نے جنّات اور انسانوں کو صرف اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اختیار کریں۔“ (الذاریات:۵۶)

یہ عبادت محض نماز، روزہ اور حج وغیرہ کی ادائیگی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی بندگی واطاعت کے رنگ کو اپناتا ہے۔ شبِ برأت اسی امر کی طرف ہمیں لوٹنے کی دعوت ہے۔ حدیث مبارک میں ہے:

”یہ شعبان کی پندرہویں رات ہے، اس میں ایک سال کا حال لکھ دیا جاتا ہے...“ (الطبری، جامع البیان)

یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ شبِ برأت تقدیر نہیں بدلتی بلکہ انسان کے اندر تبدیلی کا عزم پیدا کرتی ہے۔ یعنی یہ رات گذشتہ سال کا محاسبہ، اگلے سال کی منصوبہ بندی اور نئے اہداف کی تشکیل کے لیے ہے۔ یہ بالکل ایسے ہے جیسے کسی کمپنی کا سالانہ آڈٹ ہوتا ہے۔ شبِ برأت بھی انسانی زندگی کا سالانہ روحانی آڈٹ ہے۔

شبِ برأت: زندگی کے نئے باب کی شروعات

انسان دو طرح کی زندگی گزارتا ہے:

۱۔ ایسی زندگی جس میں انسان روٹی، نوکری، خواہشات، دنیاداری میں بہتا رہتا ہے۔ اس کی زندگی میں نہ کوئی اہم مقصد ہوتا ہے اور نہ ہی کسی سمت کا تعین۔ ایسی زندگی کو بہتی ہوئی زندگی (Flowing life) کہتے ہیں۔

۲۔ ایسی زندگی جس میں انسان اپنے مقصدِ حیات کو جانتا ہے، اپنی ترجیحات طے کرتا ہے، اپنی روح کی سمت درست کرتا ہے اور اپنے فیصلے اپنے ارادے سے کرتا ہے، دباؤ سے نہیں۔ شبِ برأت اس قسم کی زندگی کی دعوت ہے۔ اس زندگی کو بامقصد زندگی (Purposeful life) کہتے ہیں۔

انسان کے تمام اعمال کی درستگی کا انحصار دل پر ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فسدت فسد الجسد كله۔

(بخاری و مسلم)

”جان لو! جسدِ انسانی میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو جائے تو پورا جسم درست ہو جاتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ جان لو! گوشت کا وہ ٹکڑا دل ہے۔“

شبِ برأت دل کی درستگی کا کورس ہے۔ دل کو اللہ تعالیٰ سے جوڑنا، ذکر، توبہ، دعا سب دل کی خاک جھاڑنے کے آلات ہیں۔ شب برأت میں اللہ تعالیٰ کی خاص معافی اس لیے ہے کہ انسان اپنے گناہوں کا بوجھ ہلکا کر لے۔ اپنی سرکشی کی گرہیں کھول کر اپنی روح کو تازہ کر لے۔ یہ رات ایک Spirtual reset button ہے، جو رحمتِ الٰہیہ کے باعث انسان کو روحانیت کی چمک سے آشنا کرتی ہے۔

اس رات میں خواب غفلت میں پڑے مردہ دلوں کو تازہ زندگی ملتی ہے اور معاشرتی تعلقات کو حسنِ سلوک کے ذریعے مضبوط کیا جاتا ہے۔ احادیث نبوی بھی ہمیں یہی بتاتی ہیں۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ! سب سے بہتر انسان کون ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُ النَّاسِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ۔

(طبرانی، الاوسط، رقم: ۵۷۸۷)

”لوگوں میں سے بہتر شخص وہ ہے (جس کا وجود) لوگوں کے لیے نفع کا باعث ہو۔“

شبِ برأت سماجی خدمت کا نقطۂ آغاز ہے۔ صدقہ و خیرات، ضرورت مندوں کا خیال، بیماروں کی عیادت اور رنجیدہ دلوں کو خوش کرنا اس رات کے مقاصد میں اہم ترین ہیں۔ شبِ برأت ہمیں سکھاتی ہے کہ مقصدِ حیات صرف خود کے لیے جینا نہیں ہے بلکہ مقصدِ حیات دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنا ہے۔ مقصدِ حیات معاشرہ میں خیر پھیلانا ہے۔ یہ رات سائلوں کا سہارا اور دلوں کو ملانے کا ذریعہ بنتی ہے۔

شبِ برأت: زندگی کے لیے نیا لائحہ عمل

شبِ برأت عمل کی دنیا میں تبدیلی کا اعلان ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ۔ (مسلم: ۲۶۶۴)

”اور ہر ایک میں خیر ہے، جو چیز تم کو نفع دے اس کے حصول میں حریص رہو، اللہ تعالیٰ کی مدد چاہو اور تھک کر نہ بیٹھو۔“

یہ ہے اسلام کا عملی فلسفہ۔ شبِ برأت انسان کو کہتی ہے کہ اپنی زندگی کا پلان بناؤ، مقاصد طے کرو، کمزوریوں کا جائزہ لو، اپنی ترجیحات درست کرو، وقت کی قدر سمجھو اور محنت کو اپنا شعار بناؤ اسی میں اصل کامیابی ہے۔ یعنی یہ رات انسان کو آئندہ سال کے اہداف مقرر کرنا، اپنی کمزوریوں کو پہچاننا، اپنی ترجیحات طے کرنا، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا اور رکے بغیر نیکی میں سبقت کرنا سکھاتی ہے۔

یہ رات انسان کے سالانہ لائحہ عمل کے مرتب کرنے کے لیے بہترین ہے۔ جس طرح کمپنیاں سال کے آغاز میں منصوبہ بناتی ہیں، شبِ برأت بھی انسان کو اپنی زندگی کی منصوبہ بندی سکھاتی ہے کہ وہ جانے کہ میں کون ہوں؟ میں کہاں ہوں؟ مجھے کیا بننا ہے؟ میرا اصل مقصد کیا ہے؟ میرا اگلا سال کس سمت میں جائے گا؟ شبِ برأت انسان کو کہتی ہے: اپنی ڈائری کھولو، اپنے مقصد لکھو، اپنے اہداف بناؤ، اپنے رویے درست کرو اور اپنے آپ کو اپ گریڈ کرو۔ یہ ہے شبِ برأت کا عملی فلسفہ۔

شبِ برأت اور روحانی خودشناسی

انسان کی سب سے بڑی محرومی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو نہیں پہچانتا جب کہ روحانی ترقی کا پہلا قدم خودشناسی ہے اور شبِ برأت اس کے لیے بہترین موقع ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ (ق:١٦)

”اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔“

یہ آیت بتاتی ہے کہ انسان کی روحانی طاقت اللہ تعالیٰ سے اس کے مضبوط تعلق میں پنہاں ہے۔ شبِ برأت اسی تعلق کو فعال، مضبوط، تازہ اور زندہ کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔ (التفسیر الکبیر)

”جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا، تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔“

شبِ برأت انسان کے اندر وہ چراغ روشن کرتی ہے جو اسے اس کی اصل حقیقت یعنی مقامِ عبدیت کی یاد دلاتی ہے۔

شبِ برأت: شبِ توبہ

یہ رات سچے دل سے توبہ اور دل اور روح کی صفائی کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ توبہ صرف الفاظ کا نام نہیں ہے بلکہ یہ عملی تبدیلی کا منصوبہ ہے۔ حدیث نبوی ہے:

كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ۔

”ہر انسان خطاکار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو (خطا کے بعد فوراً) توبہ کرنے والے ہیں۔“ (سنن الترمذی: ٢٤٩٩)

توبہ کے تین درجے ہیں: ١۔ ندامت و پچھتاوا۔

٢۔ ترکِ معصیت یعنی گناہ چھوڑ دینا۔

٣۔ عزمِ مستقبل یعنی دوبارہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا۔

شبِ برأت ہمیں یہی تین مقاصد یاد دلاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَمُوْتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللهِ۔

”تم میں سے کوئی اس حال میں نہ مرے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان نہ رکھتا ہو۔“ (مسلم: ٢٨٧٧)

شبِ برأت امید کی رات ہے۔ یہ رات انسان کو کہتی ہے کہ مایوسی چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ سے بڑا کوئی نہیں، اللہ کی رحمت ہر چیز سے وسیع ہے، زندگی ابھی باقی ہے، حالات بدل سکتے ہیں، تقدیر روشن ہو سکتی ہے، یہ رات انسان کو امید کا مضبوط سہارا دیتی ہے۔

اس رات غروب آفتاب سے لے کر طلوع فجر تک اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی خاص بارش ہوتی ہے۔ حدیث مبارک ہے:

يَطَّلِعُ اللهُ إِلَى خَلْقِهِ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ (ابنِ حبان)

”اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات اپنی مخلوق پر نظرِ رحمت فرماتا ہے اور (مشرک اور کینہ پرور کے سوا) ہر کسی کو معاف فرما دیتا ہے۔“

یہ مغفرت صرف گناہوں کو مٹانے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ وجود کو نیا بنانے کا نام ہے۔ شب برأت ہمیں نئی سوچ، نئی سمت، نئی توانائی، نئی امید، نئی منصوبہ بندی، نئی شخصیت اور نیا کردار عطا کرتی ہے۔ یہ رات بندے کے لیے ”روحانی ری انسٹالیشن“ کی رات ہے۔

شبِ برأت: محبتِ الٰہی کا احیاء

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی طرف سے سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے؟ حدیثِ قدسی میں ہے:

وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ۔

”میرا بندہ میری سب سے محبوب چیز یعنی فرائض سے میرا قرب پاتا ہے۔“ (صحیح البخاری: ۶۱۳۷)

اللہ کی محبت ہمیں نماز کی طرف لاتی ہے، اس لیے کہ نماز مقصدِ حیات کا دل ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ۔ (البقرہ: ۴۵)

”اور صبر اور نماز کے ذریعے (اللہ سے) مدد چاہو۔“

شبِ برأت نماز کو روحانی طاقت کا ذریعہ بنا دیتی ہے۔ یہ رات انسان کو نماز سے اور نماز رب تعالیٰ سے جوڑ دیتی ہے۔ یہ رات فیصلے میں مضبوطی، دل کی صفائی، عبادت میں لذت، گناہوں سے نفرت اور مقصدیت میں اضافہ کا سبب بنتی ہے۔ نماز انسان کو روحانی لائف لائن دیتی ہے۔

☆ اللہ کی محبت کے حصول کا ایک طریقہ قرآن مجید سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ شبِ برأت قرآن سے عہد کی رات ہے۔ اس لیے کہ قرآن مقصدِ حیات کی روشنی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ۔ (بنی اسرائیل: ۹)

”بے شک یہ قرآن اس (منزل) کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے درست ہے۔“

دن میں کم از کم ایک صفحہ، ہفتے میں ایک نئی سورت اور ہر روز ایک آیت پر غور و تدبر انسان میں معنویت، بصیرت اور مقصدیت پیدا کرتا ہے۔ شب برأت قرآن کے ساتھ نئے تعلق کا مقام ہے۔ قرآن صرف عبادت کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ یہ زندگی گزارنے کا مکمل طریقہ ہے۔ قرآن کہتا ہے:

وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُوْرٍ۔ (النور: ۴۰)

’’اور جس کے لیے اللہ ہی نے نورِ (ہدایت) نہیں بنایا تو اس کے لیے (کہیں بھی) نور نہیں ہوتا۔‘‘

قرآن حکیم سوچ میں نور، فیصلوں میں نور، اَخلاق میں نور، رشتوں میں نور، مقصد میں نور اور عمل میں نور پیدا کرتا ہے۔ شبِ برأت اسی نور کی تلاش کا نام ہے۔

☆ محبتِ الٰہی کے حصول کا ایک تقاضا یہ ہے کہ انسان ہمہ وقت اس کے در پر سوالی بنا کھڑا رہے اور اس کی بارگاہ میں سراپا دعا بنا رہے۔ یہ رات قبولیت کے خاص لمحات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ارشاد فرمایا:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ (غافر: ۶۰)

’’تم لوگ مجھ سے دعا کیا کرو میں ضرور قبول کروں گا۔‘‘

یہ رات کہتی ہے: دعا سے منزلیں بنتی ہیں، دعا سے راستے کھلتے ہیں، دعا سے دل بدلتے ہیں اور دعا سے تقدیریں روشن ہوتی ہیں۔

شبِ برأت کا حقیقی راز: انسان کی باطنی دنیا کی تعمیر

اس رات خوابِ غفلت میں پڑے مردہ دلوں کو تازہ زندگی اور بامقصد مثبت مصروفیات و مشاغل کے ذریعے لغویات و بیہودہ مجالس و محافل سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کے حضور باعزت و باوقار حاضری کے قابل بنانے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔۔۔ دنیائے فانی کی چکاچوند کی جگہ اُخروی کامیابی و کامرانی کا سامان کیا جاتا ہے۔۔۔ روٹھے ہوئے خدا کو منانے کے جتن کیے جاتے ہیں۔۔۔ رشتہ عبودیت کو استوار کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔۔۔ زندگی کی پریشانیوں، بیماریوں اور مایوسیوں سے خلاصی کی دعائیں کی جاتی ہیں۔۔۔ سیدھے راستے سے بھولے بھٹکوں کو درِ مولیٰ کی طرف لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔۔۔ جبینوں کو لذتِ سجود سے آشنا کیا جاتا ہے۔۔۔ مفادات کے سمندر میں ہچکولے کھاتی زندگی کی نیّا کو سکون و طمانیت کے ساحل پر لانے کی دعا کی جاتی ہے۔ یہی شبِ برأت کا سب سے گہرا روحانی پہلو ہے، انسان اس رات ایک نئے انسان کے طور پر بیدار ہو سکتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِیْ طَاعَةِ اللهِ۔

’’حقیقی مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔‘‘ (مسند احمد: ۲۴۰۰۴)

اندر کی جنگ ہی اصل جنگ ہے۔ حسد، کینہ، تکبر، لالچ، خود غرضی، خواہشات کی غلامی اور نفس کی سرکشی یہ سب روحانی ترقی کے دشمن ہیں۔ شبِ برأت ان دشمنوں کے خلاف جہاد کی تربیت دیتی ہے۔

گویا شبِ برأت کا ایک بڑا مقصد انسان کی باطنی تعمیر ہے۔ زندگی کی سب سے بڑی شکست وہ نہیں جب انسان ہار جائے، بلکہ خودی کا بکھر جانا ہے۔ شبِ برأت اعلان کرتی ہے کہ اپنے باطن کو مضبوط کرو، ظاہر خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَلَا إِلَى أَجْسَادِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ۔ (مسلم: ۲۵۶۴)

”اللہ تعالیٰ نہ تمہارے جسموں کو دیکھتا ہے اور نہ ہی تمہاری صورتوں کو بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔“

یہ حدیث مبارک شبِ برأت کی اصل حقیقت ہے، اس رات دل کا زاویہ سیدھا کیا جاتا ہے۔شبِ برأت کی سب سے طاقتور تعلیم دل صاف کرنا ہے۔حدیث نبوی ہے:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ۔ (متفق علیہ)

”قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔“

شبِ برأت ہمیں کہتی ہے: رشتے جوڑو، لہجوں میں کڑواہٹ ختم کرو، لفظوں میں مٹھاس پیدا کرو، تعلقات میں نرمی لاؤ اور دلوں میں جگہ بناؤ۔ یہی وہ سماجی تربیت ہے جو ایک بہترین معاشرہ پیدا کرتی ہے۔انسان کی زندگی کے مقصدِ حیات کا اہم حصہ عالی اخلاق ہیں۔ شبِ برأت ان اخلاق کی ریفریشر ٹریننگ ہے۔

شبِ برأت ہمیں آئینہ دکھاتی ہے کہ گزشتہ سال کہاں غلطی ہوئی۔۔۔؟ کن لوگوں کا دل دکھایا۔۔؟ کن فرائض میں کوتاہی کی۔۔۔؟ کون سا گناہ دائمی بن گیا۔۔۔؟ کون سی عادتیں برباد کن ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا۔

”اپنے نفس کا محاسبہ خود کر لو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔“ (سنن الترمذی: ۲۴۵۹)

شبِ برأت کا مطلب بھی یہی ہے کہ زندگی کا مکمل جائزہ لیا جائے۔۔۔ کردار کی کمزوریوں کی تشخیص کی جائے۔۔۔اپنے نفس کو سزا نہیں بلکہ تربیت دی جائے اور اپنے وجود کی مرمت کرنا سیکھا جائے، یہی مقصدِ حیات ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ۔ (مسند احمد:۸۹۳۹)

”مجھے عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔“

اچھا اخلاق مقصدِ حیات کے جانے بغیر ممکن نہیں ہے۔شب برأت انسان سے کہتی ہے کہ زبان کو پاک کرو، دل کو نرم کرو، معاملات کو سیدھا رکھو، غصے پر قابو پاؤ، معاف کرنے کی عادت پیدا کرو اور لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرو، یہی وہ ”Package of moral reformation“ ہے جو شبِ برأت ہر مسلمان کو فراہم کرتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللهِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ۔

”اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب انسان وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ نفع دے۔“(المعجم الاوسط:۵۷۸۷)

خدمتِ خلق، بیمار کا حال جاننا، یتیم کی دیکھ بھال، غریب کی مدد کرنا، دکھی دلوں کا سہارا بننا، لوگوں کو سکون دینے والی گفتگو کرنا، یہ سب مقصدِ حیات کا حصہ اور اس رات کا پیغام ہے۔ اصلاح کا آغاز ہمیشہ گھر سے ہوتا ہے۔اور عملی تربیت کا پہلا میدان بھی گھر ہوتا ہے۔اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ۔ (ترمذی:۳۸۹۵)

”تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے بہترین ہو۔“

شبِ برأت گھر کے ماحول کو بدلنے کی رات ہے، والدین سے نرمی، شریکِ حیات سے محبت و احترام، بہن بھائیوں سے حسنِ سلوک، گھر میں ذکر، دعا، قرآن، یہی وہ ”سماجی سیل“ ہے جہاں سے بڑی اصلاح پیدا ہوتی ہے۔ شب برأت انسان کو ”میں“ سے نہیں بلکہ ”ہم“ سے جوڑتی ہے۔یہ رات پوری امت کے لیے دعا مانگنے کی تحریک ہے۔امت کے دکھ اور مسائل، بچوں کی تربیت، نوجوانوں کی بے راہ روی سے چھٹکارے اور عملی وحدت و بیداری کا شعور بیدار کرنے کی رات ہے۔

المختصر یہ کہ شبِ برأت محض عبادات کی رات نہیں ہے، یہ ایک فکری، اَخلاقی، روحانی اور عملی انقلاب کا دروازہ ہے۔ اس رات انسان اپنے مقصد کو دوبارہ پہچانتا ہے۔۔۔اپنے گناہوں کو مٹاتا ہے۔۔۔اپنی روح کو تازہ کرتا ہے۔۔۔اپنے اخلاق کو بہتر بناتا ہے۔۔۔ اپنے رشتوں کو جوڑتا

ہے۔۔ اپنی سماجی ذمہ داری کو سمجھتا ہے۔۔اور اپنی عملی زندگی کا نیا لائحہ عمل طے کرتا ہے۔ یہ رات انسان کو بدل دیتی ہے اگر وہ خود کو بدلنا چاہے۔ شبِ برأت دعا کی رات ہے۔ اپنے رب کے حضور جھکنے کی رات ہے اور اپنے باطن کو بدلنے کی رات ہے۔ اس رات کو اپنی زندگی کا ٹرننگ پوائنٹ بنائیں۔

شبِ برأت کے اعمال اور دعائیں

اس رات درج ذیل دعا پڑھنا مستحب ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عفُوٌّ کَرِیْمٌ، تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی۔(ترمذی، السنن، کتاب الدعوات، ۵/۵۳۴، رقم/۳۵۱۳)

”اے اللہ! تو بہت معاف کرنے والا اور کرم فرمانے والا ہے۔عفوودر گزر کو پسند کرتا ہے پس مجھے معاف فرمادے۔“

۲۔ شعبان کی ۱۵ویں شب میں سورۃ بقرہ کا آخری رکوع اکیس مرتبہ پڑھنا امن و سلامتی اور حفاظت جان و مال کے لیے بہت مفید ہے۔

۳۔فراخی رزق کے لیے دعا

امام غزالی اِحیاء علوم الدین میں فرماتے ہیں کہ شبِ برأت کی رات لوگ یہ دعا (کثرت سے) پڑھتے ہیں:

صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو بندہ یہ دعا پڑھے اللہ تعالیٰ ضرور اس کی معیشت (رزق) میں وسعت عطا فرماتا ہے۔

(اَللّٰھُمَّ) یَا ذَا الْمَنِّ، وَلَا یُمَنُّ عَلَیْكَ، یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، یَا ذَا الطَّوْلِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، ظَهْرُ اللَّاجِئِینَ، وَجَارُ الْمُسْتَجِیرِینَ، وَمَأْمَنُ الْخَائِفِینَ، (اَللّٰھُمَّ)، إِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنِی فِی أُمِّ الْكِتٰبِ عِنْدَكَ شَقِیًّا فَامْحُ عَنِّی اسْمَ الشَّقَاءِ۔ وَأَثْبِتْنِی عِنْدَكَ سَعِیدًا، وَإِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنِی فِی أُمِّ الْكِتَابِ مَحْرُومًا مُقَتَّرًا عَلَیَّ رِزْقِی فَامْحُ عَنِّی، حِرْمَانِی وَتَقْتِیرَ رِزْقِی، وَاثْبِتْنِی عِنْدَكَ سَعِیدًا مُوَفَّقًا لِلْخَیْرِ، فَإِنَّكَ تَقُولُ فِی كِتَابِكَ (یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ أُمُّ الْكِتٰبِ۔)

(ابن ابی شیبۃ، المصنف، ۶/۶۸، رقم/ ۲۹۵۳۰)

”(اے اللہ!) اے احسان کرنے والے کہ تجھ پر احسان نہیں کیا جاتا! اے بڑی شان وشوکت والے! اے فضل والے! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پریشان حالوں کا مددگار ہے، پناہ مانگنے والوں کو پناہ دینے والا ہے اور خوفزدوں کو امان دینے والا ہے۔ (اے اللہ!) اگر تو

مجھے اپنے پاس اُمُّ الکتاب (لوح محفوظ) میں شقی (بدبخت) لکھ چکا ہے، تو (اے اللہ!) میرا نام بدبختوں میں سے مٹا دے اور مجھے اپنے پاس سعادت مند لکھ دے۔ اگر تو مجھے اپنے پاس اُمُّ الکتاب (لوح محفوظ) میں محروم، رزق میں تنگی دیا ہوا لکھ چکا ہے، تو (اے اللہ!) مجھ سے میری محرومی اور تنگی رزق کو دور فرما دے اور (اپنے فضل سے) مجھے اپنے پاس اُمُّ الکتاب میں مجھے خوش بخت اور بھلائیوں کی توفیق دیا ہوا ثَبت (تحریر) فرما دے۔ بے شک تو اپنی کتاب (قرآن مجید) میں فرماتا ہے: (اللہ جس (لکھے ہوئے) کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) ثبت فرما دیتا ہے، اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) ہے O)۔"

۴۔ صلاۃ الخیر (شب برأت کی نماز)

شبِ برأت میں ایک سو رکعات (نفل) نماز اس طرح ادا کی جائے کہ اس میں سورۃ فاتحہ کے بعد ایک ہزار مرتبہ سورۃ اِخلاص (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) پڑھی جائے۔ (یعنی ہر رکعت میں دس بار سورۃ اِخلاص پڑھیں گے۔) اس نماز کو 'صلوۃ الخیر' کہا جاتا ہے۔ اس نماز کی بہت زیادہ برکت ہے۔ پہلے زمانے کے بزرگ یہ نماز باجماعت ادا کرتے تھے اور اس کے لیے جمع ہوتے تھے اس کی فضیلت زیادہ اور ثواب بے شمار ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"مجھ سے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا کہ جو شخص شبِ برأت کی رات یہ نماز پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف ستر بار (نظرِ) رحمت فرماتا ہے اور ہر نظر کے بدلے اس کی ستر حاجات پوری کرتا ہے۔ سب سے کم درجے کی حاجت مغفرت ہے۔"

(عبد القادر الجیلانی، غنیۃ الطالبین/ ٤٥٠)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس رات کی برکات سے حصہ عطا فرمائے اور ہماری زندگیوں کو مقصدیت، روشنی، محبت، خدمت اور خیر سے مومور فرمائے۔ آمین، بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خوف وغم کا فلسفہ
صوفیاء کرام کا نقطۂ نظر

ڈاکٹر مسعود احمد مجاہد
شعبہ علوم عربیہ منہاج یونیورسٹی لاہور

اسلام میں خوف اور غم کا تصور بڑا وسیع ہے۔ اس تصور میں صبر و شکر ، خوشی و غم ، تقویٰ و پرہیز گاری ، خوف و رجاء اور توکل جیسے تصورات پائے جاتے ہیں۔ ایک مسلمان کبھی خوف میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی اس پر کچھ کیفیاتِ غم وارد ہوتی ہیں۔ یہ خوف و غم کی کیفیات آزمائشوں کی شکل میں سامنے آتی ہیں جن سے مومنین و مسلمین کا امتحان مقصود ہوتا ہے کہ یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دم بھرتے ہیں، اپنے دعوؤں میں کہاں تک سچے ہیں۔

تصوف میں خوف و غم ان باطنی کیفیات کا نام ہے جو بندۂ مومن کو تعلق باللہ اور محبتِ الٰہی کے جذبات کی بنیاد پر ہر وقت اپنے آپ کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے رہنے پر محسوس ہوتی ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقت کو حاصل کرنے والے ہیں اور دیدارِ الٰہی سے مشرف ہونے والے ہیں۔ ان لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ یہ لوگ ہر وقت اللہ کی یاد اور اس کے خوف و غم میں گم رہتے ہیں اور ان کے دل کبھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ یہی لوگ اصل میں فلاح

پانے والے ہیں۔ ان کا جاگنا سونا، کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا سب اللہ کی رضا کے لئے ہوتا ہے اور ان کی زندگی کا مقصد بھی صرف اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے اور اسی مقصد کے حصول کے لئے یہ اپنی زندگیاں گزارتے ہیں۔

اولیاء وصوفیاء کے ہاں خوف کا معنی ومفہوم

صوفیاء اور اولیاء کے نزدیک خوف کے متعدد مفاہیم ہیں، یہ مفاہیم ان کے اپنے تجربات اور مشاہدات کا نتیجہ ہیں۔ ذیل میں چند معروف صوفیا و اولیاء کے مطابق خوف کا معنی و مفہوم بیان کیا جارہا ہے:

۱۔ امام غزالی فرماتے ہیں: مستقبل میں کسی ناپسندیدہ چیز کی توقع کی وجہ سے دل میں جو الم وحزن اور جلن پیدا ہوتی ہے اسے ''خوف'' کہتے ہیں۔ یہ خوف کبھی تو گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت اس خوف کا سبب بنتی ہے۔

(امام غزالی، احیاء علوم الدین، ج: ۴، ص: ۲۴۵)

۲۔ امام قشیری فرماتے ہیں: خوف ایک ایسی کیفیت ہے جس کا تعلق مستقبل سے ہے کیونکہ اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ کوئی ناپسندیدہ بات نہ ہو جائے یا کوئی محبوب چیز چلی نہ جائے اور یہ بات اسی چیز کی وجہ سے ہوتی ہے جو مستقبل میں حاصل ہو گی۔ اور جو چیز فی الحال موجود ہو اس کے ساتھ خوف کا تعلق نہیں ہوتا۔ ابوالقاسم عبدالکریم القشیری، رسالہ قشیریہ، ص: ۲۴۸-۲۴۹)

۳۔ حضرت ابو حفص فرماتے ہیں:

الخوف سوط اللہ یقوّم بہ الشاردین عن بابہ۔ (القشیری فی الرسالۃ: ۱۲۵)

'' اللہ تعالیٰ کا خوف ایسا کوڑا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے در سے بِدکے ہوؤوں کو سیدھا کرتا ہے۔''

مزید فرماتے ہیں کہ خوف قلبِ مومن میں وہ شمع ہے کہ جس کی روشنی کی بدولت وہ خیر اور شر میں امتیاز کر سکتا ہے۔

۴۔ امام حاتم الاصمؒ فرماتے ہیں:

لکل شیء زینۃ، وزینۃ العبادۃ الخوف، وعلامۃ الخوف قصر الأمل۔ (القشیری فی الرسالۃ: ۱۲۷)

'' ہر چیز کی زینت ہوتی ہے اور خوف عبادت کی زینت ہے، خوف کی علامت امید کو کم کرنا ہے۔''

خوف کے درجات

امام غزالی خوف کے درجات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خوف کے تین درجات ہیں:

۱۔ ضعیف ۲۔ قوی ۳۔ معتدل

۱۔ ضعیف خوف وہ ہے جو بندے کو کام پر مستعد نہ رکھے جیسے عورتوں کی رقت۔

۲۔ قوی خوف وہ ہے جس سے ناامیدی، بے ہوشی اور موت کا خوف ہو۔

یہ دونوں مذموم ہیں اس لیے کہ خوف فی نفسہ کوئی کمال کی چیز نہیں مگر غافلوں کے حق میں البتہ خوف کمال کی چیز ہے اس لیے کہ خوف اس تازیانے کی مانند ہے جو نافرمان یا بِدکے ہوئے جانور کی تادیب کی خاطر استعمال ہوتا ہے۔ جب تازیانہ کمزور ہو اوراس سے چوٹ نہ لگے تو یہ تادیب کے کام نہیں آئے گا اور نہ جانور کو راہِ راست پر لاسکے گا اور اگر تازیانہ ایسا سخت ہو کہ نافرمان لڑکے یا جانور کا بدن پھٹ جائے یا ہاتھ یا منہ کی ہڈی ٹوٹ جائے تو بھی نقصان ہے۔

۳۔ معتدل خوف وہ ہے جو گناہوں سے باز رکھے اور عبادت کی رغبت دلائے۔ جو زیادہ عالم ہوتا ہے اس کا خوف بھی زیادہ معتدل ہوتا ہے، اس لیے کہ اس کا خوف جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو وہ اسباب رجا کا خیال کرتا ہے اور جب گھٹ جاتا ہے تو ترکِ عمل کے خطرات کا اندیشہ اسے لاحق ہو جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اول العلم معرفة الجبار واخر العلم تفويض الامر اليه

پہلا درجہ تو یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور انتہا یہ ہے کہ اپنے تمام کام اس کی مرضی پر چھوڑ دے اور جان لے کہ میں کوئی چیز نہیں ہوں اور میرے سبب سے کچھ نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ جانے تو سہی لیکن ڈرے نہیں۔

(غزالی، کیمیائے سعادت)

خوف کی اقسام

حضور غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے خوف کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا: خوف کی چار اقسام ہیں:

خوف تو گناہ گاروں کو ہوتا ہے۔۔۔ رھبہ عابدین کو ہوتی ہے۔۔۔ خشیت عالموں کو ہوتا ہے۔۔۔ وجد دوستوں کو ہوتا ہے۔۔۔ ہیبت عارفین کو ہوتی ہے۔

گناہ گاروں کو خوفِ عذاب ہوتا ہے۔۔۔ عابد کا خوف ثوابِ عبادت کے فوت ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔۔۔ عالموں کا خوف طاعات میں شرکِ خفی سے ہوتا ہے۔۔۔ عاشقوں کا خوف ملاقات کے فوت ہونے سے ہے۔۔۔ عارفین کا خوف ہیبت و تعظیم ہے اور یہ خوف سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ کبھی دور نہیں ہوتا اور یہ تمام اقسام جب رحمت و لطف کے مقابل ہو جائیں تو تسکین پا جاتے ہیں۔

(امام الاولیاء ترجمہ و شرح بھجۃ الأسرار، ص: ۲۳۶)

☆ حضرت ابن عجیبہ رضی اللہ عنہ خوف کی اقسام کے بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ یہ تین طرح کا ہوتا ہے:

۱۔ **عوام کا خوف:** ان کا خوف عتاب و عذاب اور ثواب سے محرومی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

۲۔ **خواص کا خوف:** یہ عتابِ الٰہی اور قرب کی سعادت سے محروم ہونے سے ڈرتے ہیں۔

۳۔ **خاص الخواص کا خوف:** یہ صرف اس لئے ڈرتے ہیں کہ سوء ادب کی وجہ سے دیدار کی لذتوں سے محروم نہ ہو جائیں۔ (عبدالقادر عیسی شازلی، حقائق عن التصوف (تصوف کے روشن حقائق)، ص ۲۵۳، ۲۵۴)

اولیاء و صوفیاء کے ہاں غم (حزن) کا معنی و مفہوم

عربی میں غم کے لئے ”حزن“ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کا معنی مصیبت، رنج والم، پریشانی، ناگواری وغیرہ میں آتا ہے۔ غم انسان کی اندرونی کیفیت اور احساس کا نام ہے جو اس وقت ملتا ہے جب وہ اپنی محبوب چیز کو کھو دیتا ہے۔ انسان پر غم کی مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ قرآن و حدیث میں غم کے لئے حزن کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ائمہ اور صوفیاء نے بھی غم اور حزن کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ذیل میں اس حوالے سے صوفیاء کے اقوال بیان کیے جا رہے ہیں:

۱۔ **امام ابو القاسم القشیری فرماتے ہیں:** حزن ایک ایسی کیفیت و حالت کا نام ہے، جو دل پر قابو پا کر اسے غفلت کی وادیوں میں پریشان پھرنے سے روکتی ہے اور یہ

اہلِ سلوک کے اوصاف میں سے ہے۔
(القشیری،الرسالہ قشیریہ، ص:۲۶۹)

۲۔ امام غزالی فرماتے ہیں: جب انسان کو مال کے لحاظ سے امن ، بدن کے لحاظ سے عافیت اور ایک دن کی خوراک میسر ہو تو اس کا سامانِ دنیا کے بارے میں رنج و غم کا اظہار کرنا اس کی حماقت اور کوتاہ عقلی کی دلیل ہے کیونکہ اس کا غم تین حال سے خالی نہیں: یا تو اس کے لیے غم ہے کہ یہ چیزیں جاتی رہیں گی۔۔۔ یا آئندہ کا خوف ہے۔۔۔ یا موجودہ حالت پر اسے افسوس ہے۔
(غزالی ،احیائے علوم الدین، ج ۲، ص ۳۰۲)

۳۔ ابو علی دقاق فرماتے ہیں: حزن والا انسان اللہ کی راہ کو ایک ماہ میں طے کر لیتا ہے، جبکہ وہ شخص جسے حزن نہیں،وہ کئی سال کے اندر بھی یہ سفر طے نہیں کر سکتا۔
(القشیری،الرسالہ قشیریہ، ص: ۲۶۹)

۴۔ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر فرماتے ہیں: جس دل میں غم نہ ہو، وہ اس طرح خراب ہو جاتا ہے جس طرح وہ گھر جس میں کوئی رہنے والا نہ ہو اور وہ ویران ہو جائے۔
(فریدالدین گنج شکر ،اسرارالاولیاء ص ۶۳)

حزن کی اقسام

خوف کی طرح غم بھی انسان کی فطرت کا حصہ ہے اور یہ انسان کو اس وقت ہوتا ہے جب اس کی کوئی محبوب یا پسندیدہ شے ، عمل، قیمتی وقت ، یا انسان کھو جائے یا جدا ہو جائے۔ اسی مناسبت سے غم کی مختلف اقسام ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ حزن الکاذبین ۲۔ حزن الصادقین ۳۔ حزن الصدیقین

۱۔ حزن الکاذبین: اس سے مراد وہ غم ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری چھوٹنے سے، عمل نہ کرنے سے اور جو چیز اعمال سے فوت ہو جائے ان کا تدارک نہ کرنے سے انسان کو ملتی ہے۔

۲۔ حزن الصادقین: اس سے مراد وہ غم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بندہ عمل کرے اور وقت کو غنیمت جانے اور جو اعمال فوت ہو جائیں ان کو دوبارہ

حاصل کرنے کا غم کرے۔

۳۔ حزن الصدیقین: اس سے مراد وہ غم ہے کہ جب انسان کا قیمتی وقت ضائع ہو جائے یا انسان غفلت میں پڑ جائے یا اس کا میلان دنیا کی طرف ہو جائے۔

(الحکم العطائیۃ لابن عطاء اللہ السکندری)

خوف و غم کے مذکورہ معانی و مفاہیم اور درجات و اقسام کے بیان سے معلوم ہوا کہ دنیاوی اعتبار سے خوف و غم کے برعکس اولیاء اور صوفیاء کے ہاں خوف و غم ان کے روحانی حالات و کیفیات کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

یاد رکھیں! خوف و غم دل کے احوال و کیفیات میں سے وہ حالت و کیفیت ہے جس سے دل میں آگ بھڑکتی ہے۔ اس کا سبب علمِ معرفت ہے۔ انسان جب آخرت کے خطرات اور اپنی ہلاکت و تباہی کے حاضر و غائب اسباب کو دیکھتا ہے تو یہ آگ خود بخود بھڑک اٹھتی ہے۔ یہ بات دو چیزوں کی معرفت سے پیدا ہوتی ہے:

۱۔ ایک معرفت یہ کہ آدمی اپنے آپ کو اور اپنے گناہوں، عیوب اور عبادات کے لئے باعثِ نقصان چیزوں اور اخلاق کی خباثتوں کو دیکھے اور ان کوتاہیوں کے ساتھ ساتھ اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو دیکھے۔

۲۔ دوسری معرفت یہ ہے کہ اس شخص کے گناہ اور عیب کی وجہ سے آتشِ خوف اور غم پیدا نہ ہو بلکہ اس کی بے باکی کی وجہ سے خوف و غم پیدا ہو۔

صوفیاء کرام کس طرح کے خوف اور غم میں مبتلا رہتے؟

اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام کے دلوں میں صرف اللہ کا خوف و غم ہوتا ہے۔ یہ جس بھی حال میں رہیں، ان کی روح، ان کے دل اور ان کا نفس کبھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے غافل نہیں ہوتے۔ انھیں دنیا کا خوف و غم نہیں ہوتا کیونکہ انہوں نے اپنی زندگیاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے وقف کر دی ہوتی ہیں۔ ذیل میں ان نکات کو بیان کیا جارہا ہے کہ اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام کس طرح کے خوف و غم میں مبتلا تھے اور کس طرح کا خوف و غم کبھی ان کے دامن گیر نہ رہتا:

(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات کے اعتبار سے خوف و غم کا ہونا

قابلِ قدر مومن وہ ہیں جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ اللہ کا ذکر کریں یا سنیں تو ان

کے دل ہیبتِ الٰہی اور جلالِ کبریائی سے ہمہ وقت خوف و غم میں رہتے ہیں۔قرآن مجید میں بھی اس بات کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ مجھ سے ڈرو۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (آل عمران ۳: ۱۷۵)

”اور مجھ ہی سے ڈرا کرو اگر تم مومن ہو۔“

(۲)احکامِ شریعت پر عمل کے اعتبار سے خوف و غم ہونا

احکامِ شریعت کی بجا آوری ایک ایسا عمل ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ اولیاء اللہ کو دنیا کی آسائشوں و آرائشوں کا خوف و غم نہیں ہوتا بلکہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا خوف و غم موجود ہوتا ہے۔دنیا کا خوف و غم انسان کے لئے صرف اور صرف نقصان کا باعث ہوتا ہے اور فرائض و واجبات کی کوتاہی کا سبب بنتا ہے اور یوں آدمی متوقع بھلائی کے خوف سے یا جس شر کا اندیشہ ہو اس کی تدبیر سے غافل ہو جاتا ہے۔

(۳)آخرت کا خوف و غم کا ہونا

اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سر چشمہ خوف و غمِ الٰہی اوراللہ تعالیٰ کی جبروت و عظمت پر غیر متزلزل یقین ہے۔جو دل خشوع و خضوع اور خوف و غم الٰہی سے خالی ہوتا ہے، اس کی حقیقت ایک مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) سے زیادہ نہیں۔اولیاء اللہ وہ ہستیاں ہیں جن کے سامنے جب کلام الٰہی پڑھا جاتا ہے جس میں آخرت کا ذکر اور خدا کی عظمت کے جلال کا بیان ہوتا ہےتووہ اس سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ بعض کی روتے روتے ہچکی بندھ جاتی، بعض پر بے ہوشی طاری ہو جاتی اور بعض کی تو روح پرواز کر جاتی۔ اگر کوئی ناواقف شخص ان کو اس کیفیت میں دیکھتا تو یہ گمان کرنے لگتا کہ ان کی روح پرواز کر جائے گی۔اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام آخرت کے مواخذہ کے بارے میں خوف اور غم زدہ رہتے اور ہر وقت اس خیال میں ان کے دل خوف و غمِ الٰہی سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

(۴) فقر، دنیااور دنیاوی مال کاخوف و غم نہ ہونا

صوفیاءواولیاء کودنیااور دنیاوی مال ودولت کا کبھی خوف و غم نہیں ہوتا۔صوفیاء کرام اللہ تعالیٰ کے محتاج تو ہوتے ہیں مگر وہ حیا کے باعث لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے بلکہ اپنے رب کے دیے ہوئے کم رزق پر بھی راضی رہتے ہیں۔ان لوگوں کے دل اور جسم

فقر میں بھی سکون وراحت محسوس کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۔

”اور ہم ضرور بالضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے، اور (اے حبیب!) آپ (ان) صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں۔“ (البقرہ، ۲: ۱۵۵)

حضرت عمر بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

فو اللہ لا الفقر اخشی علیکم ولکن اخشی علیکم ان تبسط علیکم فتنافسوھا کما تنا فسوھا و تھلککم کما اھلکتھم۔

(صحیح بخاری، کتاب الجزیہ والموادعہ، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اھل الطرب، الرقم: ۳۱۵۸)

اللہ کی قسم مجھے تم پر فقر کا خوف نہیں۔ میں اس سے خوف کرتا ہوں کہ تم پر دنیا کھول دی جائے گی، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کھول دی گئی اور تم اس میں محبت و رغبت کرنے لگو، جیسے ان لوگوں نے کی اور دنیا تمہیں اس طرح ہلاک کر دے جس طرح انہیں کیا۔

یعنی دنیا کے مال و دولت کو اولیاء اللہ کے لئے آزمائش قرار دیا گیا ہے۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو اس فتنہ سے بچ پاتے ہیں جبکہ کثیر تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جو اس کی رنگینیوں میں کھو کر اپنی دنیا و آخرت تباہ کر لیتے ہیں۔ جبکہ اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام دنیا کی رنگینیوں میں مستغرق نہیں ہوتے کیونکہ ان کا شمار اللہ تعالیٰ نے خوف و غم کرنے کی وجہ سے اپنے نیک اور برگزیدہ بندوں میں کر لیا ہے۔

☆ صوفیا کرام دنیا سے دوری میں ہی اپنے لیے عاقبت تصور کرتے ہیں کہ جب تک دنیا سے دور اور لا تعلق رہیں گے، تب تک اللہ کے خوف و غم سے غافل نہیں ہو سکیں گے۔ جس نے دنیا کو اپنی اصل متاع سمجھ لیا، اسی وقت اللہ تعالیٰ کی ذات اس بندے سے خفا ہو جائے گی اور بندہ اپنے محبوبِ حقیقی کی پہچان سے غافل ہو جائے گا۔ اسی لئے صوفیاء کرام کے دلوں میں کبھی ماسواء اللہ کسی بھی شے کی رغبت پیدا نہیں ہوتی۔

حضرت مالک بن دینار نے ایک شخص کو کہتے سنا کہ اگر خدا جنت میں مجھے ایک کوٹھری دے دے تو میں اس پر راضی ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا:

لیت یا ابن اخی زھدت فی الدنیا کما زھدت فی الجنة

(الآداب والاخلاق والرقائق، مواعظ الامام مالک بن دینار)

کاش دنیا سے اتنا بے رغبت ہوتا جتنا کہ جنت سے ہے۔

یاد رکھیں! دنیا سے بے رغبتی کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ نہ دنیا ہو اور نہ اس کی طرف رغبت ہو۔ایسا ہونا کچھ زیادہ کمال نہیں۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دنیا ہو مگر اس کی طرف رغبت نہ ہو۔یہ اعلیٰ درجہ کی بات ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے تھے:

لو وصانی احد ان املك مالی لاعقل الناس لصرفته الی زاهد فی الدنیا۔

اگر کوئی یہ وصیت کرے کہ میرا مال اس کو دیا جائے جو سب سے زیادہ عاقل ہو، تو میں کہوں گا کہ اسے دینا چاہیے جو دنیا سے بے رغبت ہو۔

یعنی اولیاء اللہ دنیا کی ہر شے کو قربان کر دیتے ہیں اور اگر کسی شئ کو ضرورت کے مطابق اپنے استعمال میں لائیں تو بھی کسی ضرورت مند کو دے دیتے ہیں اور خود کچھ نہ ہونے پر بھی اکتفا کرتے اور سکون محسوس کرتے تھے۔

جو دنیا کی فکر میں گم ہو جاتا ہے، اس پر دنیا تنگ کر دی جاتی ہے اور اس کا ہر پل مشکلات میں گزرتا ہے۔مراد یہ ہے کہ جب انسان دنیا کی چیزوں کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیتا ہے تو وہ ہمیشہ اپنے سے اوپر والے طبقے کی طرف دیکھتا ہے اور اسے اپنی حالت مجبور و لاچار کی سی محسوس ہونا شروع ہو جاتی ہے۔جس کی وجہ سے وہ اللہ رب العزت کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری پر اتر جاتا ہے۔اس کے شکوے شکایات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ فَرَّقَ اللهُ عَلَيْهِ أَمْرَهُ، وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ، وَمَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ نِيَّتَهُ، جَمَعَ اللهُ لَهُ أَمْرَهُ وَجَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ، وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ۔ (أخرجه ابن ماجه في السنن، كتاب: الزهد، باب: الهم بالدنيا، ۲: ۱۳۷۵، الرقم: ۴۱۰۵)

”جو شخص ہمیشہ دنیا کی فکر میں مبتلا رہے گا اور دین کی پرواہ نہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے تمام کام پریشان کردے گا اور اس کی مفلسی ہمیشہ اس کے سامنے رہے گی اور دنیا اتنی ہی ملے گی جتنی اس کی تقدیر میں لکھی ہے اور جس کی نیت آخرت کی جانب ہو گی تو اللہ تعالیٰ اس کی دلجمعی کے لیے اُس کے تمام کام درست فرمادے گا اور اس کے دل میں دنیا کی بے پروائی ڈال دے گا اور دنیا اس کے پاس خود بخود آئے گی۔“

(ابن ماجہ ،السنن، ج ۲، ص ۱۳۷۵ ، رقم : ۴۱۰۵)

دنیا کی فکر کرنے والا بد بخت بن جاتا ہے اور جو آخرت پر نظر رکھتے ہیں، وہ کامیاب و کامران رہتے ہیں۔ اللہ ان کے دلوں کو غنا سے بھر دیتا ہے اور اس حقیر دنیا کو اپنے محبوب بندوں کے لیے مسخر کر دیتا ہے۔

☆ اولیاء اللہ اور صوفیاء اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہوتے ہیں۔ جب اللہ رب العزت کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو ہر فتنے کی نفرت کو اپنے محبوب بندے کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔ جیسا کہ بندہ مومن دنیا کو قید خانہ تصور کرتا ہے، یہ نفرت اسے اللہ رب العزت کی ذات سے لگاؤ کے باعث نصیب ہوتی ہے۔ کچھ لوگ دنیا اور مال کی محبت میں بہت آگے نکل جاتے ہیں اور اپنی آخرت کو خراب کر بیٹھتے ہیں۔ بد عنوانی اور تعصب و تنگ نظری کی وجہ سے آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا بلکہ یوم حشر اللہ رب العزت ان سے ہر تنکے کا حساب لے گا جبکہ اولیاء اللہ کو دنیا کے مال کی محبت نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کے دل میں دنیا کے مال کا خوف و غم ہوتا ہے، یہ عمل ان کیلئے یومِ حشر میں باعث نجات بن جائے گا اور ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اثْنَتَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ آدَمَ: الْمَوْتَ، وَالْمَوْتُ خَيْرٌ مِنَ الْفِتْنَةِ، وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ، وَقِلَّةُ الْمَالِ أَقَلُّ لِلْحِسَابِ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ۔

(احمد بن حنبل، المسند، ج ۵، ص ۴۲۷، رقم: ۲۳۶۷۴)

” دو چیزوں کو آدم کا بیٹا برا سمجھتا ہے (ایک) موت کو جب کہ موت اس کے لئے آزمائش سے بہتر ہے اور کم مال و دولت کو جب کہ کم مال و دولت کا حساب بھی کم ہو گا۔“

جب انسان کا ایمان کامل ہو جاتا ہے اور وہ مومن کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے

تو اس کے دل سے ان دونوں چیزوں کی حرص ختم ہو جاتی ہے۔یعنی نہ تو اسے موت سے ڈر لگتا ہے اور نہ ہی قلتِ مال اس کی پریشانی کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ اللہ پر کامل ایمان رکھتا ہے اور اپنے محبوبِ حقیقی کے دیدار کی آرزو اس کے دل سے موت کا خوف و غم مٹا دیتی ہے۔

خلاصۂ کلام

مذکورہ بحث سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ رب ذوالجلال دنیا میں اپنے ایسے بندوں کو منتخب فرما لیتا ہے جو اپنے اندر خوف و غم جیسی نورانی و روحانی کیفیات کو مکمل سما لیتے ہیں۔ یہ اولیاء اللہ اسی شے کے طالب ہوتے ہیں کہ جس میں رب ذوالجلال کی منشاء ہوتی ہے۔خوف و غم ایسی نورانی و روحانی کیفیت ہے جو کبھی اولیاء و صوفیاء کرام اور درویشوں کے جسم و روح سے الگ نہیں ہوتی۔ یہ اولیاء اللہ ہر لمحہ اور ہر حال میں خوف و غم کی حالت میں رہتے ہیں۔دنیا ان کے نزدیک ذلت و رسوائی اور پستی کے سوا کچھ نہیں۔ان کا دنیا میں صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ ہر حال میں رب کی رضا پر توکل کرتے ہوئے صبر و استقامت کا مظاہرہ کریں۔

اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام اس مقام کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی محبت سے حاصل کرتے ہیں کیونکہ محب کو جامِ محبت اس وقت پلایا جاتا ہے جب اس کا دل خوف اور غم کی بھٹی سے گزر کر پختہ ہو جائے اور جس کو یہ کیفیت حاصل نہ ہو وہ خوف و غم کی قدر و قیمت نہیں جان سکتا۔ جس نے جمالِ یوسف کا مشاہدہ نہ کیا ہو، وہ یعقوب کے غم و حزن کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

قرآنی فلسفۂ عروج وزوال

ڈاکٹر محمد اکرم رانا
ڈین فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز
منہاج یونیورسٹی لاہور

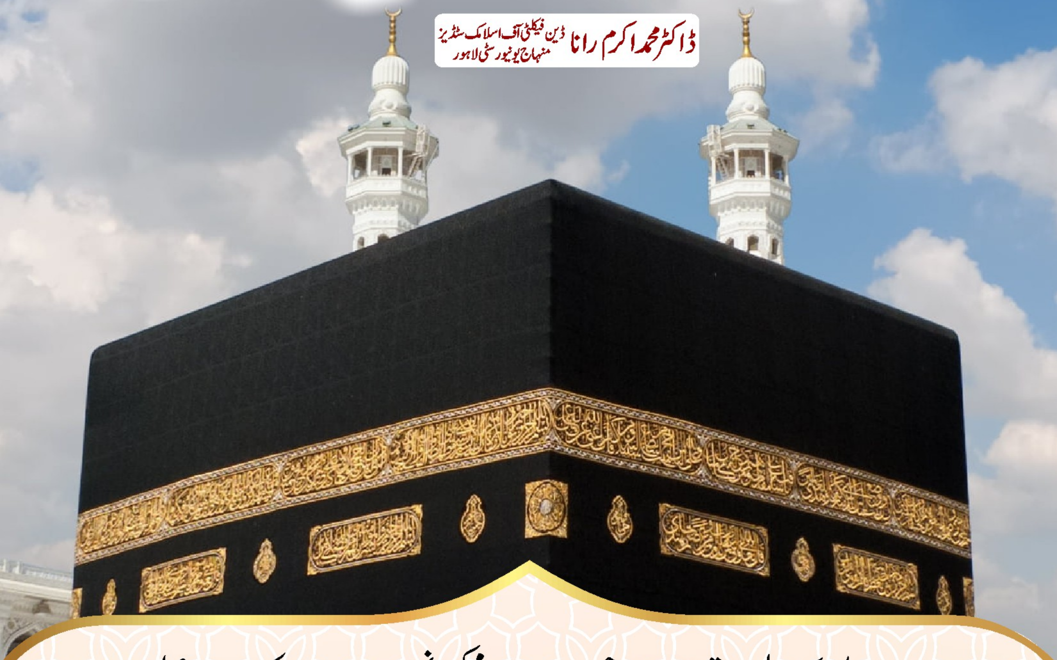

عروج وزوال ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ نہ عروج کو دوام حاصل ہے اور نہ ہی زوال کے ساتھ دوام لازم ہے۔ عروج وزوال کسی قوم کے ساتھ مختص نہیں ہیں بلکہ مختلف اقوام میں مختلف اوقات میں عروج وزوال کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری رہا۔ کبھی کوئی قوم ابھر کر دنیا کی امامت سنبھال لیتی ہے اور کبھی کوئی قوم اس منصب پر فائز ہو جاتی ہے۔ بنیادی طور پر عروج کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ ذہنی واخلاقی عروج **۲۔ مادی وسیاسی عروج**

ذہنی واخلاقی غلبہ میں ایک قوم اخلاقی اقدار اور فکری قوتوں میں اس قدر عروج پر پہنچ جاتی ہے کہ دوسری اقوام کو اسی کے افکار اور نظریات ماننے پڑتے ہیں۔ پھر وہ قوم چاہتی ہے کہ ہر جگہ اسی کا حکم، اسی کے نظریات اور اسی کی تہذیب کی پیروی کی جائے۔

دوسری قسم یعنی مادی وسیاسی عروج سے مراد ہے کہ ایک قوم دولت و قوت میں اتنی ترقی کر جائے کہ باقی اقوام کے لیے اس کے مقابلے میں اپنا الگ سیاسی و معاشی تشخص قائم رکھنا ممکن نہیں رہتا۔ فاتح قوم کسی نہ کسی طرح مفتوح اقوام کے وسائل و ثروت پر بھی قابض ہو جاتی ہے۔ جو قومیں عقل و فکر سے کام لیتی ہیں اور اپنی اخلاقی روایات کی حفاظت کرتی ہیں، وہ ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ معاشی و سیاسی ترقی بھی حاصل کر سکتی ہیں۔

زوال سے مراد کسی بھی قوم کا پستی میں اس قدر گر جانا کہ وہ اپنا وجود خود سے برقرار نہ رکھ سکے اور دوسری اقوام کی محتاج ہو۔ عروج کی طرح زوال کی بھی دو اقسام ہیں:

ا۔ ذہنی و اخلاقی زوال　　　۲۔ سیاسی و مادی زوال

مختلف اقوام کے عروج و زوال کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ جو قوم عقلمندی، جدوجہد اور مہارت سے کام لیتی ہے، وہ اپنے دورِ تشکیل سے گزرتے وقت حالات کو پلٹ دیتی ہے اور بحران کی کیفیت سے باعافیت گزر کر اپنی تعمیر کے ہنگامہ خیز سفر کا آغاز کرتی ہے اور دورِ تعمیر میں سینہ تان کر چیلنجز سے نبرد آزما ہوتی ہے۔ زمین کی وراثت درحقیقت ان کا نصیب ہوتی ہے۔

اقوام جب تک کسی اعلیٰ و بلند مقصدِ حیات اور نصب العین کو حاصل کرنے کی راہ پر گامزن رہتی ہیں، ان کا قافلۂ حیات جذبہ و عمل میں سرگرم رہتا ہے اور وہ اپنی منزلِ مقصود کو حاصل کرنے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کرتیں۔ بالآخر وہ عروج و بلندی اور ترقی سے ہمکنار ہوتی ہیں لیکن جونہی وہ اپنے نصب العین کو بھلا دیتی ہیں، ان کا جذبہ عمل سرد پڑ جاتا ہے اور وہ قوت و ہمت سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔ نتیجتاً زوال و تنزل ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

جب عروج حاصل ہو جائے تو پھر اسے برقرار رکھنا آسان نہیں ہوتا ہے کیونکہ دورِ عروج میں قوم کے افراد، سہولت پسند، سست اور کاہل ہو جاتے ہیں اور وہ محنت سے جی چراتے لگتے ہیں پھر بلند نظر افراد کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ قوم کی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں عیش و عشرت کے ہاتھوں زنگ آلود ہو جاتی ہیں اور عظیم اور باوقار سلطنت کی بقا اور استحکام کے لیے جو صلاحیتیں ضروری ہوتی ہیں وہ ناپید ہونے لگتی ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم دوسری اقوام کی توانائیاں اپنے دفاع کے لئے مستعار لیتی ہے۔ ممکن ہے اس عمل سے کسی بھی قوم کی ڈوبتی کشتی کو وقتی سہارا مل بھی جاتا ہو لیکن یہ اس کے زوال کی سب سے بڑی علامت ہے۔

یاد رکھیں! کسی بھی قوم کا نہ تو عروج اتفاقی ہوتا ہے اور نہ ہی زوال حادثاتی ہوتا ہے بلکہ عروج بھی فطرت کے قوانین کا پابند ہوتا ہے اور زوال بھی قدرت کے ازلی اصولوں کے تحت۔ جو قوم صالح، نیک اور پرہیز گار ہو گی، وہ زمین کی وارث ہو گی اور جو صالح نہ رہے گی تو ملک و سلطنت اور خلافت اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ یہاں علامہ اقبالؒ کا پیغام نہیں بھولنا چاہیے۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں، تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رباب آخر

قرآن کی رو سے عروج کا مفہوم

عام طور پر اقوام کے عروج و زوال سے مراد صرف مادی و سیاسی ترقی لی جاتی ہے۔ جو قوم زیادہ سے زیادہ علاقہ مغلوب کر لے یا مادی وسائل کی بہتات ہو تو یہ اس قوم کی عظمت کی دلیل سمجھی جاتی ہے بلکہ وہ قوم اپنی عظمت و شان اور وقار کو منوانے کے لیے باقی اقوام کو اپنی تقلید کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

لیکن قرآن مجید کی رو سے حقیقی عروج وہی ہے جو خدا کی بندگی اور اس کے احکام و قوانین کی کامل فرماں برداری و اطاعت کے ساتھ ہو۔ انسان مادیت کے ساتھ روحانیت پر بھی برابر توجہ دے اور ہر معاملے میں خدا کی اطاعت بجالائے۔ یہی وہ ترقی اور عروج و کمال ہے جس سے مشترک طور پر تمام بنی نوع انسان کے لئے رحمت و برکت کے دروازے کھلتے ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد ایسی اقوام کا ذکر ہوا ہے جنہوں نے مادی اعتبار سے تو بڑی ترقی، لیکن اپنے دورِ عروج میں عذابِ الٰہی کی مستحق ٹھہریں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانیت پر زور نہ دیا۔ اس روحانی ترقی سے محرومیت کی وجہ سے ان کے اجتماعی و سیاسی کردار میں وہ اعتدال اور توازن نہ پیدا ہو سکا جو ایک انصاف پر مبنی عادلانہ نظام کے قیام کے لیے ناگزیر چیز تھا۔ اس بنیادی کمزوری اور لاپرواہی کے سبب بڑی تیزی سے ان کے اجتماعی اور سیاسی کردار میں ایسی خرابیاں نمودار ہو گئیں جن کو قدرت نے ایک مستقل نظام کے لیے برداشت نہ کیا اور ایک خاص وقت تک مہلت دینے کے بعد اپنے اٹل قانون کے مطابق انھیں فنا کر دیا۔ اس لیے کہ زمینی بادشاہت کی وارثت کا اصل حقدار کون ہے؟ اس کا جواب قرآن یوں دیتا ہے:

اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔ (الانبیاء:١٠٥)

”زمین کے وارث صرف میرے نیکوکار بندے ہوں گے۔“

یہاں اللہ کا وعدہ ہے کہ جو لوگ نیک و پرہیزگار ہوں گے، وہی خدا کی زمین پر اس کے نائب ہو گے۔ اللہ تعالیٰ نے بادشاہت اور عزت کو ان کے ہاتھ میں لکھ دیا ہے۔ تورات، انجیل اور قرآن مجید سب شریعتوں میں اللہ نے وراثتِ ارض کی ترکیب کو استعمال کیا ہے۔ دنیا کے ہر گوشے میں جو قومیں نیک، صالح، ایماندار اور محنت و مشقت کو برداشت کرنے والی ہوتی ہیں، اقتدار ان ہی کو نصیب ہوتا ہے لیکن اقتدار کے نشے میں مست ہو کر جب وہ ظلم و سرکشی کرتی ہیں اور حد سے تجاوز کرتی ہیں تو مٹ جاتی ہیں۔ پھر خدا ان کو بدل کر ان کی جگہ کسی اور کو لے آتا ہے۔ یہی خدا کا اٹل قانون ہے۔

عروج وزوال کا خدائی اصول

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قوموں کے عروج وزوال اور سربلندی کے حوالے سے یہ اصول بتادیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ۔

(الرعد، ۱۳: ۱۱)

”بے شک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے آپ میں خود تبدیلی پیدا کر ڈالیں۔“

علامہ اقبالؒ نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی خود مختاری اور قوتِ ارادہ کو بیان فرمایا ہے۔ انسان جب تک اچھائی اور بہتری کے لیے کوشش نہیں کرتا تب تک اس کے لیے کچھ بہتر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی بھی قوم کی ہلاکت کا سبب خود نہیں بھیجتے مگر وہ فرد یا قوم خود سامانِ ہلاکت پیدا کرتی ہے۔ یعنی وہ گناہ اور برائی کی طرف قدم اٹھا کر خود اپنے لیے تباہی کے دروازے کھولتی ہے لیکن پھر جب اللہ کا یہ قانون غالب آجاتا ہے تو ٹل نہیں سکتا اور نہ ہی معتوب قوموں کا پھر کوئی حامی و مددگار ہو سکتا ہے۔

ہزاروں سال قبل جب انسان نے اپنے گرد و پیش پر غور کیا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ فطرت کے سامنے عاجز و بے بس ہے۔ سورج نکلتا ہے ڈوب جاتا ہے۔ اندھیرا اجالے میں تبدیل ہو جاتا ہے لیکن پھر اندھیرا آجاتا ہے۔ کبھی طوفان آتے ہیں اور بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔ وبا پھوٹتی ہے، بیماری پھیلتی ہے اور انسان مر جاتے ہیں۔ پس انسان بے بس و مجبور ہے۔ جب قرآن نازل ہوا تو قرآن نے اس تصور کو بدل دیا اور ارشاد فرمایا:

وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ (النجم، ۵۳: ۳۹)

”اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہو گی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)۔“

اللہ تعالیٰ نے کامیابی، عروج اور بقا کے لیے محنت، کوشش اور جستجو کو لازم قرار دیا ہے۔

سابقہ اقوام کے عروج وزوال کے واقعات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان فرمایاہے کہ انسان ان سے عبرت و نصیحت حاصل کرے۔ان تمام ضوابط سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے بس اور مجبور محض پیدا نہیں کیا بلکہ اختیار وارادے کی آزادی دی ہے۔ انسان اپنی قوتِ اردای و عمل سے عروج و ترقی بھی حاصل کر سکتا ہے اور زوال کی پستیوں میں بھی گر سکتا ہے۔ دنیا کی تمام اقوام اور سلطنتوں میں ہمیشہ سے کشمکش جاری رہی ہے۔ آج کوئی بر سر اقتدار ہے تو کل کوئی اور، پھر زیادہ وقت نہیں گزرا ہوتا کہ اس کی جگہ تیسری قوم لے لیتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس فلسفہ عروج وزوال کو بیان کیا ہے۔ ذیل میں کچھ نکات ملاحظہ ہوں:

(۱) نفع وبقا کا قانون

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کسی بھی چیز کے عروج اور زوال کے لیے بقاء اور اصلح کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اٹل قانو ن ہے کہ جو چیز نافع ہو اور دنیا کی اصلاح کا کام کر رہی ہو، وہ چیز دنیا میں باقی رہے گی اور جو چیز غیر نافع ہو اور فساد و بگاڑ پیدا کر رہی ہو، اسے مٹ جانا ہے اور یہی فطرت کا انتخاب ہے۔ اس کو انگلش میں Survival of the fittest کہا گیا ہے۔ قدرت بگاڑ و فساد کو محو کر دیتی ہے۔ ایسا ہونا بھی تو لازمی ہے کیونکہ اللہ رحمٰن ہے اور اس کی رحمت یہی چاہتی ہے کہ افادہ ہو۔ وہ نقص اور نقصان کو کیسے برداشت کر سکتی ہے۔ نقص والی چیزوں اور حالات کو اللہ تعالیٰ نے باطل سے تعبیر کیا ہے اور باطل کا معنی مٹ جانا ہے اور نفع بخش چیزوں کو حق سے واضح کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللهِ قُضِیَ بِالْحَقِّ۔ (المومنون، ۴۰: ۷۸)

”پھر جب اللہ کا حکم آ پہنچا (اور) حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا۔“

اللہ تعالیٰ کا یہی قانون اقوام و ملل کے اقبال وادبار اور ہدایت و شقاوت سب پر لاگو ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی اقوام بنائی ہیں، اس کارخانہ ہستی میں جب تک وہ دوسروں کے لیے مفید رہیں، وہ عروج واقبال کے مرتبے پر فائز رہیں لیکن جب وہ اس کائنات کے لیے مضر ثابت ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے کسی دوسری نیک قوم کے ذریعے ان کا وجود تک دنیا سے مٹا دیا۔

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ۔ (الرعد، ۱۳: ۱۷)

”اور البتہ جو کچھ لوگوں کے لیے نفع بخش ہوتا ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے۔“

ہم اس دنیا کے وجود میں آنے سے لے کر اب تک دیکھتے ہیں کہ وہی چیز اس اپنا وجود برقرار رکھ

سکی جو دوسروں کے نفع اور بقا کی وجہ ہے۔ باقی سب نے اپنا وجود وقت کے ساتھ کھو دیا۔

(۲) عدل وانصاف کا قانون

اقوام کے عروج و زوال کا دوسرا بڑا سبب عدل وانصاف کے حوالے سے ہے۔ اصل یہ ہے کہ نظامِ عالم کے قوانین کی بنیاد صرف قیامِ عدل پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انبیا کرام علیہم السلام عدل کے بول بولا کے لیے مبعوث فرمائے کیونکہ جب عدل نہیں ہوتا تو ظلم ہوتا ہے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا انصاف اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جو قوم مفتوح اور ماتحت اقوام (افراد) پر ظلم کرتی ہے اس کا وجود ختم کر کے کسی دوسری قوم کو عظمت و وقار بخشا جائے جو اللہ کے عدل کا قیام وجود میں لائے اور غریبوں و مظلوموں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کا برتاؤ کرے۔ ارشاد فرمایا:

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ۔

”اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں ہیں مگر اس حال میں کہ وہاں کے مکین ظالم ہوں۔“ (القصص، ۲۸: ۵۹)

جو قومیں ذاتی تعیش کے لیے کمزوروں اور مظلوموں پر ظلم کرتی ہیں اور انسانیت کے درجے سے گر جاتی ہیں پھر ان پر تباہی لازم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ظالم کا ہاتھ روکنے اور نیک کاموں کی طرف بلانے کا حکم دیا ہے تاکہ سکون و چین ہمیشہ برقرار رہے۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔ (النساء، ۴: ۵۸)

”بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُنہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اَہل ہیں، اور جب تم لوگوں پر حکومت کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کیا کرو (یا: اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و اِنصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو)۔ بے شک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اعلانِ حق کی سعی و کاوش کو اقوام کی فتح و کامرانی قرار دیا ہے۔ جو اقوام عدل وانصاف کا قیام عمل میں لاتی ہیں، وہ نصرتِ الٰہی سے فاتح بن جاتی ہیں اور جب وہ عدل کو چھوڑ کر ظلم کی روش اختیار کرتیں تو تباہی و بربادی ان کا مقدر بن جاتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جو اقوام بے انصافی کرتی رہیں اور مظلوموں پر ظلم و ستم ڈھاتی رہی ہیں، وہ اللہ کے غضب کو بلاتی رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تباہی کے بارے میں فرمایا:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآؤُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ۔

"اور ان پر ذلّت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں لوٹ گئے۔" (البقرہ، ۲: ۶۱)

تاریخ گواہ ہے جن اقوام نے بھی مظلوم لوگوں پر ظلم کیا، ان کے حقوق غصب کیے تو وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ رہ سکیں اور حرفِ غلط کی طرح مٹا دی گئیں۔ حضرت نوح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام، لوط علیہ السلام، صالح علیہ السلام اور ہود علیہ السلام کی قوموں پر عذاب اس لیے آیا کہ وہ لوگوں کو دکھ پہنچاتے اور حق پر ڈٹے ہوئے لوگوں پر ظلم کرتے تھے۔

(۳) امیدِ حیات

انسان جو کچھ بھی اس دنیا میں سر انجام دیتا ہے وہ یا تو آئندہ کی امید پر کرتا ہے یا پھر حسرت پر۔ امید و یاس کی یہ تقسیم صرف افراد تک محدود نہیں بلکہ بنیادی طور پر اقوام اور سلطنتوں کی زندگی سے بھی جڑی ہوئی ہے۔ امید اور حسرت کو بہار اور خزاں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور پھر اپنے نقوش بھی چھوڑ جاتے ہیں، جن کو کامیابی و کامرانی اور نامرادی و ناکامی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خوش نصیب اقوام کے قلوب کے اندر امید کے چراغ روشن ہوتے ہیں کیونکہ امید ایک ایسا علم ہے جس کو شکست نہیں۔ کامیاب اقوام کی امیدیں؛ حسرت اور آرزوؤں کی ناکامی پر ماتم کرنے کے لیے نہیں ہوتیں بلکہ وہ کامیابیوں اور کامرانیوں کی خوشخبری بن کر پیغام دعوت ہیں۔ وہ اقوام بد نصیب ہوتی ہیں جن کے اندر امید کی جگہ ناامیدی، حسرت اور یاس و مایوسی کے کانٹے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے امید اور مایوسی دونوں حالتوں میں انسان کی آزمائش رکھی ہے۔

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ (الاعراف، ۷: ۱۶۸)

"اور ہم نے ان کی آزمائش انعامات اور مشکلات (دونوں طریقوں) سے کی تاکہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کریں۔"

اللہ تعالیٰ نے مومنین جو سچے، صالح اور پرہیز گار لوگ ہیں، ان کو ہمیشہ اچھا گمان اور مثبت سوچ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔ (آل عمران، ۳: ۱۳۹، ۱۴۰)

”اور تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب آؤ گے اگر تم (کامل) ایمان رکھتے ہو۔اگر تمہیں (اب) کوئی زخم لگا ہے تو (یاد رکھو کہ) ان لوگوں کو بھی اسی طرح کا زخم لگ چکا ہے، اور یہ دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں، اور یہ (گردشِ ایّام) اس لیے ہے کہ اللہ اہلِ ایمان کی پہچان کرا دے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا رتبہ عطا کرے، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔“

اللہ تعالیٰ نے ناکامی اور نامرادی میں پریشان، مایوس اور ناامید ہونے سے سخت منع فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمجھا دیا ہے کہ اگر ایک قوم کو عروج و خوشحالی نصیب ہوئی ہے اور دوسری کو یاس و حزن پہنچا ہے تو صرف یہ حالات و نتائج کا دور ہے جو بدلتا رہتا ہے۔یہی قانون فطرت بھی ہے کہ کبھی بہار آتی ہے اور کبھی خزاں، کبھی عروج ملتا ہے اور کبھی زوال کی پستیاں راج کرتی ہیں۔

اقوام کی سرفرازی کا بڑا راز امید کا دائمی آشیانہ ہوتا ہے۔مشکلات و مصائب کے جتنے بھی پہاڑ ان پر ٹوٹیں، امید کا طائر مقدس ان کے دل کے گوشے سے نہیں اڑتا۔اگر وہ مغلوب بھی ہو جائیں تو وہ غم نہیں کرتے بلکہ وہ جدوجہد کر کے پھر سے مقام پیدا کرنے کا سوچتی ہیں۔اگر وہ قابض نہ بھی ہوں تو ان کو یقین ہوتا ہے کہ وہ اسباب زوال پر قابو پا کر عروج و فیروزمندی حاصل کر سکتی ہیں۔ لیکن جو اقوام دلوں میں یاس و ناامیدی کے ڈھیر لگا بیٹھتی ہیں، انھیں تباہی و بربادی سے کوئی نہیں بچا سکتا کیونکہ یہ اللہ کا اٹل قانون ہے جس سے کسی کو بھی چھٹکارہ نہیں:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ (الانفال،۸: ۵۳)

” یہ (عذاب) اس وجہ سے ہے کہ اللہ کسی نعمت کو ہرگز بدلنے والا نہیں جو اس نے کسی قوم پر ارزانی فرمائی ہو یہاں تک کہ وہ لوگ از خود اپنی حالتِ نعمت کو بدل دیں (یعنی کفرانِ نعمت اور معصیت و نافرمانی کے مرتکب ہوں اور پھر ان میں احساسِ زیاں بھی باقی نہ رہے تب وہ قوم ہلاکت و بربادی کی زد میں آ جاتی ہے) بے شک اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔“

خلاصۂ کلام

قرآن مجید اصلاتاریخ کی کتاب نہیں بلکہ ہدایت کی کتاب ہے۔ اس لئے اقوامِ عالم کے عروج و زوال کے اصولوں کو ضمنی مگر واضح جامع اور کامل طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان اقوام کے عروج و زوال کے ضابطے بیان فرمائے ہیں جن تک براہ راست ہدایت پہنچائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں طرزِ بیان تاریخی نہیں رکھا بلکہ حکمت پر مبنی ہے۔

قرآن مجید کے بیان کردہ قوانین اور اصول و ضوابط عارضی نہیں بلکہ عالمگیر ہیں۔ اس لئے سابقہ امم اور جدید دور میں اقوام کے عروج و زوال کے اسباب ایک ہی ہیں۔ قرآن مجید نے افراد، اقوام اور مملکتوں کو عروج واقبال کی بلندیوں تک پہنچنے کا راستہ بتادیا ہے اور یہی صراط مستقیم ہے جو کامیابی و فتح کی ضمانت ہے۔

آخر میں اتنا کہوں گا کہ دنیا نے دیکھا کہ ایک وقت تھا مسلمانوں نے بلادِ عالم پر اپنی اخلاقی و سیاسی قوت کا سکہ جمایا، پھر دور آیا کہ مسلمان اب زوال کا شکار ہیں اور یورپ سیاسی، سائنسی اور تکنیکی برتری کا مالک ہے۔ ہمیں اس بات پر توجہ دینی چاہیے کہ ہم دیکھیں وہ کون سی وجوہات تھیں جن کی بنا پر مغلوب ہوئے۔ اس طرح ان چیزوں کو چھوڑ کر غالب ہونے کی کوشش کی جائے کیونکہ دینِ اسلام غالب ہونے کے لیے آیا ہے نہ کہ مغلوب۔

سالِ نو: محاسبۂ نفس اور عملی تقاضے

ساحل کاشمیری

زندگی فطری طور پر مسلسل تغیر، نشوونما اور حرکت کے مراحل سے گزرنے کا نام ہے۔ وقت ایک بہتی ہوئی ندی کی مانند ہے جو رکتا نہیں، بلکہ ہر گزرتا لمحہ انسانی تجربات کے ذخیرے میں اضافہ کرتا ہے۔ گردشِ ساعت کے اس عمل میں جب ایک سال ختم ہوتا ہے اور دوسرا سال شروع ہوتا ہے، تو انسان کے سامنے زندگی کا ایک نیا ورق، ایک نئی صبح اور ایک نیا دائرۂ امکانات کھل جاتا ہے۔ عام طور پر لوگ سال کے آغاز کو صرف تاریخ کے بدلنے سے تعبیر کرتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ سالِ نو انسانی شعور میں نفسیاتی تازگی اور باطنی بیداری کا باعث بنتا ہے۔ یہ لمحہ انسان کو جھنجوڑ کر اس حقیقت سے روشناس کرواتا ہے کہ ہر گزرا ہوا لمحہ ایک امانت ہے اور انسان کا مقصدِ حیات وقت کے صحیح استعمال میں مضمر ہے۔

سال کا بدلنا انسانی جذبات میں ایک تازہ روح پھونکتا ہے۔ یہ گویا ایک دروازہ ہے جو نئے امکانات اور نئی راہوں کی طرف کھلتا ہے۔ اسی لیے مختلف تہذیبوں میں سالِ نو کو امید، آغاز اور تجدید کا تہوار سمجھا جاتا ہے۔ انسان کی فطرت میں اللہ رب العزت نے یہ خواہش ودیعت کر رکھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہتر بنائے، غلطیوں سے سیکھے، نئے اہداف بنائے اور آگے بڑھے۔ یہی تجدید اور ارتقاء کی خواہش زندگی کو معنویت بخشتی ہے۔ قرآن حکیم اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔

’’بیشک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے آپ میں خود تبدیلی پیدا کر ڈالیں۔‘‘(الرّعد، ۱۳: ۱۱)

یہ آیتِ مبارکہ انسانی تبدیلی کا سب سے بڑا اصول بیان کرتی ہے کہ تبدیلی بیرونی حالات سے نہیں آتی، بلکہ حقیقی تبدیلی انسان کے باطن سے جنم لیتی ہے۔ سالِ نو اس باطنی تبدیلی کا بہترین وقت ہے۔ جب انسان خود سے سوال کرتا ہے: میں کون ہوں۔۔۔؟ میں کیا کر رہا ہوں۔۔۔؟ میری زندگی کی سمت کیا ہے۔۔۔؟ اور مجھے کیا بننا ہے۔۔۔؟ تو یہی وہ سوالات ہیں جن کے ذریعے کردار کی تعمیر اور عملی زندگی کا نیا سفر شروع ہوتا ہے۔ سال کے آغاز کا سب سے بنیادی اور ضروری عمل محاسبۂ نفس (SELF-ACCOUNTABILITY) ہے، جو اسلام کی روح اور اخلاقی تربیت کا اہم ستون ہے۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حَاسَبَ نَفْسَهُ فِي الدُّنْيَا قَبْلَ أَنْ يُحَاسَبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(سنن ترمذي، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، الرقم: ۲۴۵۹)

’’دنیا ہی میں اپنے نفس کا محاسبہ کر لو اس سے پہلے کہ قیامت کے روز اس نفس کا محاسبہ کیا جائے۔‘‘

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا۔

(سنن ترمذي، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، الرقم: ۲۴۵۹)

’’اپنے نفس کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔‘‘

محاسبۂ نفس دراصل انسان کے باطن کی وہ بیداری ہے جو اسے اپنی کمزوریوں، لغزشوں اور کوتاہیوں کا ادراک عطا کرتی ہے۔ یہ خود شناسی کا پہلا درجہ ہے، جس کے بغیر کوئی فرد حقیقی اخلاقی اور روحانی ترقی نہیں پا سکتا۔ یہ انسان کو احساس دلاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر لمحے، ہر عمل اور ہر فیصلے کا ذمہ دار ہے۔ یہی احساس فرد کے اندر سنجیدگی، فکر اور بہتر مستقبل کے لیے سمت کا تعین پیدا کرتا ہے۔ محاسبۂ نفس ایمان کا جزو اور روحانی تربیت کا بنیادی ستون ہے۔ ابو یعلیٰ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب: ذکر الموت والاستعداد له، الرقم: ۴۲۶۰)

”عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے، اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے۔“

جب فرد اپنی خامیوں کو پہچان کر ان کی اصلاح کرتا ہے تو اس کے اندر خلوص، سچائی، ذمہ داری، امانت اور دیانت جیسے اوصاف پروان چڑھنے لگتے ہیں۔ شخصیت کا سب سے مضبوط حصہ وہی ہوتا ہے جسے انسان خود محنت سے تعمیر کرتا ہے اور یہ محنت اس وقت تک شروع نہیں ہوتی جب تک انسان اپنے باطن کے آئینے میں جھانک کر اپنے حقیقی مقام اور کمزوریوں کو نہ دیکھے اور پھر انھیں سنوارنے کی تگ و دو نہ کرے۔

نئے سال کے آغاز میں یہ محاسبۂ نفس خاص اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ یہ وقت عزائم کی تشکیل، مقاصد کے تعین اور کردار کی تعمیر کا وقت ہے۔ روزانہ اپنے اعمال، وقت کے استعمال، وعدوں کی پاسداری اور اہداف کے حصول کا جائزہ لینا، نہ صرف نظم و ضبط سکھاتا ہے بلکہ وہ اعتماد بھی پیدا کرتا ہے جو کامیاب عملی زندگی کی بنیاد بنتا ہے۔ جو افراد اور اقوام اپنا محاسبہ کرتی ہیں، وہ حالات کے دھارے میں بہتے ہیں اور نہ دوسروں کے اثر میں بکھرتے ہیں بلکہ اپنے مقصد، اخلاق اور کردار کی مضبوطی کے ساتھ آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ نیا سال وہ لمحہ ہے جب انسان اپنے کردار، رویوں، وقت کے استعمال اور تعلقات کا جائزہ لے کر ایک نئی منزل کا تعین کرتا ہے۔ منصوبہ بندی کے بغیر زندگی بے سمت رہتی ہے۔ سال کے آغاز میں تعلیم، کیریئر، روحانیت، صحت، اخلاق اور معاشرتی خدمت الغرض ہر دائرے میں اہداف طے کرنا کامیاب زندگی کا راستہ کھولتا ہے۔

نیا سال اور درپیش چیلنجز

نیا سال بظاہر محض تقویم کی تبدیلی ہے، مگر حقیقتاً یہ ماضی کا محاسبہ کرنے اور مستقبل کا لائحہ عمل مرتب کرنے کا سنہری موقع ہے۔ عصرِ حاضر میں ہمارے سامنے سوشل میڈیا کی تیز رفتار دنیا، مقابلے کی فضا، ذہنی دباؤ، بے سمتی اور نظریاتی انتشار ہے۔ نت نئے فکری، معاشرتی اور نفسیاتی چیلنجز کھڑے ہیں جن کے سبب درج ذیل کئی طرح کے چیلنجز درپیش ہیں:

(۱) معلومات کا ہجوم اور فکری انتشار

آج ہم بے شمار معلومات کے سمندر میں غوطہ زن ہیں، مگر ہم میں سے اکثریت معلومات کے معیار اور خبر کی صداقت سے ناواقف ہے اور بغیر کسی تحقیق کے اس کو دوسرے لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور یوں یہ مبہم اور غیر مصدقہ خبر یا معلومات معاشرتی مسائل کا باعث بن جاتی ہیں۔ اگر معلومات کی باقاعدہ جانچ پڑتال نہ ہو اور نہ ہی یہ معلوم ہو کہ کون سی معلومات مفید ہیں اور کون سی غیر مفید تو یہ ذہنی اور فکری انتشار کا سبب بن جاتی ہیں۔ قرآن فرماتا ہے:

فَتَبَیَّنُوا۔ (الحجرات، ۴۹: ۶)

”تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔“

اگر ہم تحقیق و شعور کے بغیر ہر خبر اور ہر رائے کو قبول کریں تو فکری انتشار اور ذہنی الجھن کا شکار ہو جائیں گے۔

نئے سال میں علم دوستی اور شعور کی بنیاد پر اپنی سوچ کو منظم اور ہر فیصلہ کو مضبوط بنانے کا عہد کرنا ہو گا۔ سوشل میڈیا، پروپیگنڈا اور افواہوں کی دنیا نے ہمیں جذباتی اور فکری طور پر کمزور کر دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَلَکَ طَرِیقًا یَلْتَمِسُ فِیهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ لَهُ طَرِیقًا إِلَی الْجَنَّةِ۔ سنن (ترمذي، کتاب العلم عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء في فضل طلب العلم، الرقم: ۲۶۴۶)

”جو علم حاصل کرنے کے ارادہ سے کہیں جائے، تو اللہ اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان (و ہموار) کر دیتا ہے۔“

علم کا راستہ جنت کی طرف جاتا ہے۔ اگر ہم سچ اور جھوٹ میں تمیز کے لیے علم حاصل کریں تو ذہنی انتشار سے آزاد ہو سکتے ہیں اور اپنی شخصیت میں پختگی لا سکتے ہیں۔

سال کا آغاز ہمارے لیے بہترین موقع ہے کہ ہم معلومات کو انتخاب اور تحقیق کے معیار سے پرکھنے کو اپنا شعار بنالیں۔ جدید نفسیات بھی کہتی ہے کہ سوچ سمجھ کر علم حاصل کرنے سے اعتماد، تنقیدی سوچ اور فکری آزادی پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح ہم نہ صرف اپنی زندگی کے فیصلے مضبوط کرتے ہیں بلکہ معاشرتی اور اخلاقی چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار رہتے ہیں۔

(۲) وقت کی قدر اور نظم و ضبط

وقت ہر انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے اور ایک بار ضائع ہونے کے بعد واپس نہیں آتا۔ آج ہم وقت کی پابندی اور نظم ضبط جیسے اعلیٰ اوصاف سے کوسوں دور ہیں۔ ہمارا ہر عمل غیر منظم ہوتا ہے۔ وقت کی ناقدری کی وجہ سے ہم نہ صرف اپنی قیمتی ساعتوں کو ضائع کرتے ہیں بلکہ اس کے علاوہ کئی دیگر معاشرتی اور سماجی مسائل کو بھی دعوت دیتے ہیں۔ قرآن میں اللہ نے وقت کی قسم کھا کر انسان کو متنبہ کیا:

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ۔ (العصر: ۱۔۲)

”زمانے کی قسم (جس کی گردش انسانی حالات پر گواہ ہے)۔ بے شک انسان خسارے میں ہے (کہ وہ عمرِ عزیز گنوا رہا ہے۔)“

آج اگر ہم وقت کے ضیاع پر قابو پالیں تو اپنی شخصیت کو مضبوط اور ذمہ دار بنا سکتے ہیں۔ سالِ نو ایک نیا موقع ہے کہ وقت کی منصوبہ بندی اور نظم و ضبط کو اختیار کریں۔ اسلام ہمیں اپنی زندگی میں ترتیب اور عادت پیدا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا:

نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ۔ (سنن ترمذی، کتاب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الرقم: ۲۳۰۴)

"دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں سے زیادہ لوگ نقصان اٹھاتے ہیں: صحت اور فرصت (وقت)۔"

اگر ہم اپنے فارغ وقت کو مثبت سرگرمیوں، مطالعہ اور عبادات میں استعمال کریں تو نہ صرف علم و اخلاق میں ترقی کریں گے بلکہ اپنی شخصیت کو بھی نکھاریں گے۔ علم النفسیات بتاتا ہے کہ وقت کی پابندی اور نظم و ضبط بندے کے اندر اعتماد، مستقل مزاجی اور فیصلہ سازی کی قوت پیدا کرتا ہے۔

سالِ نو میں ہمیں چاہیے کہ ہر دن کے لیے چھوٹے اہداف مقرر کریں، غیر ضروری مشغولیات کم کریں اور اپنی زندگی کو نظام و ترتیب کے سانچے میں ڈھالیں تاکہ شخصیت مضبوط اور مثبت رویے کی حامل ہو۔

(۳) ذہنی دباؤ، مایوسی اور مثبت سوچ

آج ہم میں سے اکثر کو ذہنی دباؤ اور مایوسی کا سامنا ہے۔ تعلیمی، سماجی اور مالی دباؤ شخصیت اور اعتماد کو متاثر کر سکتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ (الانشراح، ۹۴: ۵)

"سو بے شک ہر دشواری کے ساتھ آسانی (آتی) ہے۔"

یعنی مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ اگر ہم ہر چیلنج کو ایک موقع سمجھ کر مثبت سوچ اپنائیں تو ناکامی میں بھی حوصلہ حاصل ہو سکتا ہے۔ مثبت سوچ زندگی کے ہر چیلنج سے سیکھنے اور آگے بڑھنے کی طاقت دیتی ہے۔ جدید نفسیات کہتی ہے کہ OPTIMISM اور RESILIENCE ذہنی صحت اور شخصیت سازی کے لیے لازمی ہیں۔

سالِ نو بہترین موقع ہے کہ ہم ذہنی دباؤ کو منظم کریں، مایوسی کو شکست نہ سمجھیں اور ہر مشکل میں اللہ کی رضا اور حکمت کو تلاش کریں۔ عبادات، ذکر اور مطالعہ اندرونی سکون اور اعتماد عطا کرتے ہیں، جس سے ہم اپنی شخصیت میں مضبوطی اور استحکام پیدا کر سکتے ہیں۔

(۴) کردار و اخلاقی چیلنجز اور تحمل

آج جدید دور میں ہم جذباتی اور اخلاقی چیلنجز سے دوچار ہیں۔ جھوٹ، فریب، مادّیت اور فوری ردعمل معاشرتی اور شخصی مسائل پیدا کرتے ہیں۔ اگر ہم تحمل، حلم اور بردباری اپنالیں تو ہمارے کردار

میں وقار اور مضبوطی آئے گی اور ہم معاشرتی اور ذاتی مسائل کو کامیابی سے حل کر سکتے ہیں۔

سالِ نو بہترین موقع ہے کہ ہم ہر معاملے میں تحمل اختیار کریں، ردِ عمل سے پہلے سوچیں اور اخلاقی معیار کو اپنی شخصیت کا حصہ بنائیں۔ جدید نفسیات کہتی ہے کہ EMOTIONAL REGULATION شخصیت کے استحکام اور معاشرتی تعلقات میں مضبوطی پیدا کرتا ہے۔

(۵) سماجی خدمت اور معاشرتی کردار

جہاں دنیا جدت کی جانب بڑھ رہی ہے وہیں اخلاقی اقدار، معاشرتی توازن و ہم آہنگی، مساوات ،اجتماعیت اور معاونت و خدمت جیسے اوصاف سے عاری ہوتی جا رہی ہے۔ نفسا نفسی کا عالم برپا ہے۔ انفرادیت کے چکر میں اجتماعیت کو تباہ کر دیا ہے۔ ہر کوئی ذاتی مفاد کی خاطر اجتماعیت کو روندتے ہوئے چلا جا رہا ہے۔ خدمت و احساسِ انسانیت کا فقدان ہے۔ ایسے میں اسلام ہمیں اجتماعی کردار اور خدمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر ہم سماجی خدمت کو اپنا نصب العین بنائیں تو شخصیت میں نکھار اور معاشرت میں بہتری آسکتی ہے۔ سماجی خدمت؛ خود غرضی اور مادّیت سے آزاد کرتی ہے۔ جدید نفسیات کہتی ہے کہ VOLUNTEERING اور دوسروں کی مدد کرنے والے زیادہ پر اعتماد، خوش مزاج اور ذمہ دار ہوتے ہیں۔

سالِ نو بہترین موقع ہے کہ ہم خدمتِ خلق کے لیے منصوبہ بنائیں اور اپنی صلاحیتوں کو معاشرتی بھلائی کے لیے استعمال کریں۔ اسلام ہمیں یاد دلاتا ہے کہ خدمت انسانیت صرف دوسروں کے لیے نہیں بلکہ اپنی شخصیت کی تعمیر کا ذریعہ بھی ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ (المآئدة، ۵: ۲)

”اور نیکی اور پرہیز گاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔“

اگر ہم اس سال میں اپنے لیے اور معاشرے کے لیے مثبت اثر ڈالنے کی عادت اپنائیں تو سالِ نو کو حقیقی معنوں میں اپنی شخصیت کے نکھار اور فکری و اخلاقی ترقی کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

جدید دور کے چیلنجز ہماری زندگی میں فکری، اخلاقی اور عملی ترقی کے لیے امتحان ہیں۔ اگر ہم اسلام کی رہنمائی، عملی بصیرت، اخلاقی اصول اور علمی تربیت کے ساتھ ان چیلنجز کا مقابلہ کریں تو نہ صرف اپنی شخصیت کو مضبوط بنا سکتے ہیں بلکہ معاشرت اور قوم کے لیے مؤثر کردار بھی ادا کر سکتے ہیں۔ شعور، علم دوستی، اخلاقِ حسنہ، وقت کی پابندی اور عملی بصیرت ہمیں ایک متوازن، کامیاب اور بامقصد زندگی گزارنے کے اہل بنانے والے عوامل ہیں اور ہر شعبہ زندگی میں کامیابی اور فلاح کے ضامن بھی ہیں۔

(۶) خود اعتمادی اور تعمیرِ شخصیت

آج ہم اور خصوصاً ہماری نسلِ نو شخصیت و کردار کے عدم توازن، احساسِ کمتری، عدمِ خود اعتمادی، فیصلہ سازی اور رائے دہی میں کمزوری جیسے نفسیاتی عوارض سے دوچار ہیں۔ جب ہم اپنی صلاحیتوں، فیصلوں اور فکری قوت کو استعمال کرنا اور ان پر اعتماد و بھروسہ کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو ہماری شخصیت و کردار میں لچک اور کمزوری آجاتی ہے۔ ہمارے ظاہر میں کھوکھلا پن نمودار ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت بالآخر ذہنی انتشار، احساسِ کمتری اور عملی جمود کو جنم دیتی ہے۔

خود اعتمادی ہماری عملی زندگی میں فیصلہ سازی اور عمل کی صلاحیت کو مضبوط کرتی ہے۔ آنے والا سال ہماری فکری و نفسیاتی تعمیر اور خود اعتمادی کا وقت ہوتا ہے۔ ہر سال ہمارے جذبوں اور جوش کو پروان چڑھاتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ (آل عمران، ۳: ۱۳۹)

”اور تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب آؤ گے اگر تم (کامل) ایمان رکھتے ہو۔“

یعنی ایمان والے کبھی مایوس نہیں ہوتے اور ہر چیلنج میں مضبوط رہتے ہیں۔ ہم جب اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کرنا شروع کرتے ہیں تو ہر ناکامی اور رکاوٹ میں سے بھی سبق اور طاقت حاصل کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَاعْلَمُوا أَنْ لَنْ يُدْخِلَ أَحَدَكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ، وَأَنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ أَدْوَمُهَا إِلَى اللهِ، وَإِنْ قَلَّ۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، بابُ الْقَصْدِ وَالْمُدَاوَمَةِ عَلَى الْعَمَلِ، الرقم الحدیث: ۶۴۶۴)

”اعمال کو صحیح، خالص اور معتدل انداز میں انجام دو، اور جان لو کہ تمہارے اعمال تمہیں جنت میں داخل نہیں کریں گے، اور اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ ہے جو مستقل اور معمول کے مطابق ہو، چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔“

یعنی اللہ ہر کام میں مہارت اور پختگی پسند کرتا ہے۔ ہماری خود اعتمادی اسی وقت پروان چڑھتی ہے جب ہم اپنی قابلیت، محنت اور ایمان پر یقین رکھیں۔ یہ اصول ہمیں عملی میدان میں مضبوط اور مستحکم کرتا ہے۔

سالِ نو ہمارے لیے بہترین موقع ہے کہ ہم نئے منصوبے بنائیں، اپنی قابلیت اور علم کو عملی شکل دیں اور اپنے عمل پر اعتماد کریں۔ اس طرح نہ صرف روزمرہ زندگی میں بلکہ علمی، معاشرتی اور روحانی میدان میں بھی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔

(۷) ایجاد و تقلید

ایجاد اور تقلید دو اہم تصورات ہیں جو کسی بھی انسان کے مقصد اور ترقی کے حوالے سے اہمیت رکھتے ہیں۔ ایجاد کا مطلب ہے: نئے خیالات، طریقے یا حل تخلیق کرنا۔ یہ عمل انسان کو جدید سوچ، تبدیلی اور ترقی کی طرف لے جاتا ہے تاکہ وہ موجودہ حالات اور چیلنجز سے بہتر طور پر نمٹ سکیں۔ تقلید کا مطلب ہے: موجودہ خیالات یا طریقوں کو نقل کرنا یا اپنانا۔ یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی صاحب جمال و جلال اور صاحبِ دانش کی پیروی کرنا۔ ایک نظریاتی شخص کے اندر ہمیشہ یہ دونوں صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں۔ وہ خود سے نئی چیز تخلیق کرنے کی مہارت تامہ بھی رکھتا ہے اور اس کے اندر اس قدر اہلیت بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنے سے برتر نظریہ، جماعت یا شخص کی اقتداء کر سکے۔

مگر جب ایجاد کا پہلو کمزور اور تقلید غائب یا اندھی ہو جائے تو فکری و نظریاتی جمود جنم لیتا ہے۔ جب معاشرے میں تخلیقی صلاحیتوں کو فروغ دینے کے بجائے اندھی روایات کو ہی عقلِ کُل مان لیا جائے اور ہر نئے عمل کو کفر و شرک اور بدعت سے تعبیر کیا جائے تو معاشرہ جامد ہو جاتا ہے اور تازہ ہوا کا داخل ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایجاد کے اس فقدان یا جمود سے خوف، احساسِ کمتری اور فکری جرأت کی کمی جیسے مسائل جنم لیتے ہیں۔ آج یہ سبھی مسائل ہمارے معاشرے میں روز افزوں پنپ رہے ہیں۔

اسلام ہمیں صرف دوسروں کی تقلید کرنے کی نہیں بلکہ نیک اصولوں کے مطابق نئی راہیں تلاش کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ ہمارا ہر دن گزشتہ دن کی نسبت بہتر سے بہتر ہونا چاہیے، یہ خدا تعالیٰ کی بھی شان ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ۔ (الرحمٰن، ۵۵: ۲۹)

”وہ ہر آن نئی شان میں ہوتا ہے۔

یعنی اللہ رب العزت بھی ہر روز ایک نئی آن اور شان سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ جب اللہ رب العزت کی صفات میں جمود نہیں بلکہ تحرک ہے تو پھر ہم انسان جن کی فطرت میں صفاتِ الٰہیہ ودیعت فرمادی گئی ہیں تو ہم پر بھی لازم ہو جاتا ہے کہ ہم بھی مزید سے مزید ترقی کی کوشش کرتے رہیں۔

نیا سال ہمیں دعوت دیتا ہے کہ اگر تقلید کے بجائے ایجاد کے ذریعے نیک اور مفید کام انجام دیں تو یہ نہ صرف ذاتی ترقی بلکہ معاشرتی فائدے کا باعث بنتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت میں بھی ایجاد اور تخلیق کی اہمیت نمایاں ہے۔ آپ ﷺ نے ہر مشکل مسئلہ کا حل نہایت حکمت، اعتدال اور عملی سوچ سے نکالا۔ اسی طرح ہم اگر نئے نظریات، منصوبوں یا علم کی راہوں کو درست اصولوں اور اسلامی رہنمائی کے مطابق اپنائیں تو ہم تقلید کی سطح سے آگے نکل کر تخلیقی اور مؤثر شخصیت کے حامل بن سکتے ہیں۔

نیا سال ہمارے لیے بہترین موقع ہے کہ ہم اپنے علم، فہم اور صلاحیتوں کے ذریعے نیکی اور خوبی کے نئے طریقے تلاش کریں۔ ایجاد اور تخلیق کی کوشش کے ساتھ تقلید کی ضرورت بھی برقرار رہے، یعنی اچھے اور ثابت شدہ اصولوں پر عمل کرتے ہوئے نئے اور مفید راستے اپنانا۔ اس طرح ہم نہ صرف اپنی فکری صلاحیتوں کو بڑھاتے ہیں بلکہ معاشرے میں بھی مثبت اثر چھوڑتے ہیں اور اسلام کے روشن اور متوازن رہنمائی کے اصولوں پر عمل کرتے ہیں۔

(۸) حُبِ جمال

ہمارے معاشرے میں نہ صرف فکری جمود پایا جاتا ہے بلکہ عملی طور پر بھی بے شمار مسائل ہیں۔ ہمارے اندر سستی اور کاہلی ڈیرے جمائے بیٹھی ہے۔ ہم عمل کے بجائے قول کو فوقیت دیتے ہیں اور عمل سے حتی الامکاں دور بھاگتے ہیں۔ ایک منزل متعین کر کے کسی ایک پڑاؤ کو ہی منزل سمجھ کر ہم رک جاتے ہیں یا پھر راہ کی سختیاں دیکھ کر ہمت ہار دیتے ہیں اور آگے بڑھنے کی تگ و دو نہیں کرتے۔ سالوں ایک ہی جگہ پر یا ایک ہی حالت میں گزار دیتے ہیں اور حالانکہ فطرتِ انسانیہ تغیر و تبدل اور انقلاب کا نام ہے۔ آگے بڑھنے کی خواہش ہمیشہ بے قرار رکھے۔

نئے سال کی آمد ہمیں پیغام دیتی ہے کہ ہم اپنے اندر سے جمود، ثبات اور بے عملی جیسے منفی رویوں کو ختم کرتے ہوئے حب جمال جیسے اعلیٰ وصف اپنائیں۔ حب جمال سے مراد ہے: خوب سے خوب تر کی تلاش۔ یہ وہ فطری کشش ہے جو انسان کو کسی ایک مقام پر ٹھہرنے نہیں دیتی۔ انسانی فطرت جمود سے بیزار اور ارتقا کی طلب گار ہے؛ اسی لیے دل میں ہمیشہ آگے بڑھنے کی ایک ہلکی سی بے قراری رہتی ہے۔ یہی بے قراری انسان کو بہتر سے بہتر کی جستجو پر آمادہ کرتی ہے اور اسے مسلسل سفر میں رکھتی ہے۔

نیا سال اسی فطری میلان کی تجدید کا استعارہ بن کر آتا ہے۔ یہ محض کیلنڈر کی تبدیلی نہیں بلکہ خود احتسابی کا لمحہ، ماضی کے تجربات سے سیکھنے اور مستقبل کی سمت متعین کرنے کا موقع ہے۔ انسان جب پلٹ کر اپنے گزرے ہوئے دنوں کو دیکھتا ہے تو اسے اپنی کمزوریاں بھی نظر آتی ہیں اور صلاحیتیں بھی اور یہی شعور اسے مثبت تبدیلی کی طرف قدم بڑھانے پر آمادہ کرتا ہے۔

آگے بڑھنے کی لگن انسانی فطرت کا جوہر ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے یہی لگن امید کو زندہ رکھتی ہے، حوصلہ بخشتی ہے اور تخلیقی قوتوں کو بیدار کرتی ہے۔ عملی سطح پر یہ انسان کو چھوٹے، قابلِ حصول اہداف مقرر کرنے اور روزانہ کی بنیاد پر خود کو بہتر بنانے کی ترغیب دیتی ہے۔ اسلام بھی اسی جستجو کو علم، نیکی اور اخلاقی بلندی کے ساتھ جوڑتا ہے، جہاں ترقی صرف مادی نہیں بلکہ روحانی اور اخلاقی کمال کا نام ہے۔ یوں نیا سال آگے بڑھنے کی لگن کے لیے حوصلے، خود احتسابی اور مسلسل کوشش کا پیغام لے کر آتا ہے۔ یہ انسان کو اللہ کی رضا کے مطابق زندگی گزارنے، علم و اخلاق میں ارتقا اور اپنی ذات کو سنوارنے کی دعوت دیتا ہے۔ جب نیا سال اس شعوری لگن کے ساتھ شروع کیا جائے تو وہ محض وقت کا نیا باب نہیں رہتا، بلکہ زندگی میں مثبت تبدیلی اور کمالِ انسانیت کی جستجو کی مضبوط بنیاد بن جاتا ہے۔

خلاصۂ بحث

نیا سال ہمارے لیے مواقع اور چیلنجز دونوں لے کر آیا ہے۔ بے شمار معلومات، سوشل میڈیا، مسابقتی ماحول، ذہنی دباؤ اور اخلاقی انتشار ہماری شخصیت اور کردار پر اثر ڈال رہے ہیں۔ سالِ نو ایک نیا موقع ہے کہ ہم اپنے ماضی کا محاسبہ کریں اور مستقبل کے لیے نئے عزائم طے کریں۔ اسلام ہمیں شعور، علم دوستی، بصیرت اور مقصدِ حیات کے ساتھ آگے بڑھنے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ ہم فکری اور اخلاقی انتشار سے محفوظ رہ سکیں۔

سالِ نو ہمارے لیے یاد دہانی ہے کہ اپنی شخصیت، وقت، علم اور اخلاق کو مضبوط کر کے نئے سال کو ترقی اور کامیابی کے مواقع میں بدلیں۔ علمی و فکری شعور، وقت اور نظم و ضبط کی پابندی، مثبت سوچ، تحمل و برداشت، خود اعتمادی، اجتماعی خدمت، ایجاد و تقلید اور حبِ جمال جیسے اعلیٰ اوصاف اپنا کر ہم نہ صرف انفرادی طور پر ظاہر و باطن کو بدل سکتے ہیں بلکہ یہ تبدیلی معاشرے میں اجتماعی انقلاب کی بھی پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ بحرین

خصوصی رپورٹ

ایک طرف وطن عزیز میں فورسز دہشت گردی کے خلاف مشکل ترین جنگ لڑ رہی ہیں، شہادتیں ہو رہی ہیں، روز دہشت گردی کے کسی سانحہ میں قیمتی جانیں ضائع ہونے کی خبر پڑھتے ہیں اور دوسری طرف افسوس کہ ہمارے سیاسی دماغ قومی وسائل قوم کو تقسیم کرنے پر خرچ کر رہے ہیں اور اپنے ہی نشیمن پر بجلیاں گرا کر پاکستان کو دنیا میں تماشا بنا رہے ہیں۔ اس صورتِ حال میں منہاج القرآن کی قیادت دہشت گردی اور فتنہ الخوارج کے خلاف اسلامی دنیا کو اکٹھا کر رہی ہے اور اسلامی دنیا کے دانشوروں اور پالیسی ساز شخصیات کو قائل کر رہی ہے کہ کس طرح اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور امت کا اتحاد ممکن ہے اور کس طرح امت کے نوجوانوں کو انتہا پسندی اور فتنہ الخوارج سے بچایا جا سکتا ہے؟

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے گزشتہ ماہ بحرین میں اہم حکومتی و علمی شخصیات سے کامیاب ملاقاتیں کیں اور انھیں دہشت گردی کے فتنے سے نمٹنے کے لیے قرآن وسنت کے تناظر میں اپنی تحقیقات کے بارے میں آگاہ کیا۔ ہمیں پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری جیسے پاکستان کے بیٹوں اور اسلام کے بے تیغ سپاہیوں پر فخر ہے۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری اسلام اور پاکستان کے ایسے ترجمان اور وکیل ہیں کہ جنھیں فخر کے ساتھ دنیا کے کسی بھی خطہ اور فورم پر کھڑا کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں منہاج القرآن کی قیادت پر فخر ہے۔ ذیل میں منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کے دورۂ بحرین کی اجمالی رپورٹ نذرِ قارئین ہے:

۱۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اپنے دورۂ بحرین کے دوران کنگ حماد گلوبل سنٹر فار پیس بحرین کے نائب چیئرمین ڈاکٹر علی الاعرادی سے ان کے دفتر میں ملاقات کی۔ ڈاکٹر علی الاعرادی نے چیئرمین سپریم کونسل کا اپنے آفس میں پرتپاک استقبال کیا۔ پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اس موقع پر ڈاکٹر علی العرادی کو منہاج القرآن انٹرنیشنل کے عالمی نیٹ ورک اور گزشتہ چار دہائیوں پر محیط اس کی خدمات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے قیامِ امن، بین المذاہب و بین المسالک ہم آہنگی، انتہا پسندی کے خلاف بیانیے کی ترویج، تعلیمی اصلاحات،

فلاحِ انسانیت اور عالمی مکالمہ کے حوالے سے تحریک کے کلیدی کردار پر تفصیلی روشنی ڈالی کہ منہاج القرآن انٹرنیشنل شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی سرپرستی اور فکری راہنمائی میں انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خاتمے، اتحادِ اُمت، بین المذاہب رواداری و بین المسالک ہم آہنگی کے لئے تحریری و تقریری سطح پر فعال کردار ادا کر رہی ہے اور اس ضمن میں سیکڑوں کتب تصنیف کی جاچکی ہیں۔

اس ملاقات میں منہاج یونیورسٹی لاہور کے تعلیمی پروگرامز، تقابلِ ادیان میں پوسٹ گریجویٹ ریسرچ اور عالمی مذاہب کانفرنسز کی تفصیلات بھی تبادلہ خیال کا حصہ رہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اس موقع پر شیخ الاسلام کے تصنیف کردہ دہشت گردی کیخلاف مبسوط فتویٰ اور فروغِ امن پر لکھی جانے والی کتب پیش کیں۔ چیئرمین سپریم کونسل نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''دستور مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور'' بھی دی جسے ڈاکٹر علی الاعرادی نے ایک شاندار تاریخی تحقیق قرار دیا۔ ڈاکٹر علی العرادی اور دیگر معزز شخصیات نے منہاج القرآن انٹرنیشنل کی علمی و امن پسندی کی خدمات کو زبردست الفاظ میں سراہا اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی کاوشوں کی تعریف کی۔

اس موقع پر خیر سگالی کے طور پر ڈاکٹر علی العرادی نے پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کو یادگاری شیلڈ (Shield of Honor) بھی پیش کی۔ ملاقات کا اختتام اس عزم کے ساتھ ہوا کہ مشترکہ انسانی اقدار، فروغِ امن اور عالمی ہم آہنگی کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے منہاج القرآن انٹرنیشنل اور کنگ حماد سینٹر کے درمیان طویل مدتی تعاون کی راہیں ہموار کی جائیں گی۔

۲۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے بحرین کی مجلسِ نمائندگان (نیشنل اسمبلی) کے نائب اسپیکر رکنِ پارلیمنٹ احمد عبدالواحد قرطہ سے ملاقات کی۔ ملاقات مجلسِ النواب میں ہوئی۔ پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ بحرین بین التہذیب مکالمہ اور مشترکہ ثقافتی کے احترام اور روایات کا امین ملک ہے۔ انہوں نے شاہِ بحرین اور ولی عہد و وزیرِ اعظم کی عالمی سطح پر امن اور بین المذاہب مکالمہ اور رواداری کے فروغ کے لیے غیر معمولی خدمات کو سراہا۔ اس موقع پر انہوں نے بحرین کی طرف سے حال ہی میں منعقد ہونے والی ''انٹرافیتھ اسلامک کانفرنس'' کی کامیابی پر مبارکباد پیش کی۔ نائب اسپیکر احمد عبدالواحد قرطہ نے پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی منہاج القرآن انٹرنیشنل کے پلیٹ فارم سے علمی خدمات کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا بالخصوص تعلیم، بین المذاہب ہم آہنگی، کمیونٹی سروس اور امن کے میدان میں منہاج القرآن انٹرنیشنل کے مثبت کردار کو سراہا۔

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے نائب سپیکر کو شیخ الاسلام کی تصانیف اور اپنی شہرہ آفاق تحقیق ''دستور المدینہ'' نائب اسپیکر کو پیش کیں۔ نائب سپیکر بحرین پارلیمنٹ نے کتب کے تحفہ پر مسرت کا اظہار کیا اور ان تحقیقات کو امت کی فکری ضرورت قرار دیا۔ ملاقات میں دونوں جانب سے باہمی رابطوں اور تعاون کے فروغ کے عزم کا اظہار کیا گیا۔

۳۔ پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کے حالیہ دورۂ بحرین کے دوران، King Hamad Global Center for Peaceful Coexistence and Tolerance کے زیرِ انتظام ایک ملاقات میں Bishop Aldo Berardi نے Cathedral of Our Lady of Arabia میں ان کا استقبال کیا۔ پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا گرمجوشی سے خیر مقدم کیا گیا اور انہیں جزیرہ نما عرب کے اس سب سے بڑے کیتھولک چرچ کا تفصیلی دورہ کرایا گیا، جہاں انہوں نے اس تاریخی عمارت کے متاثر کن تعمیراتی فن پارے کو سراہا۔

Bishop Aldo Berardi نے منہاج القرآن انٹر نیشنل کی عالمی سطح پر انسانی اور علمی خدمات، امن، سماجی ہم آہنگی، بین المذاہب مکالمے اور عوامی بہبود کے فروغ میں MQI کی غیر معمولی خدمات سراہا۔ پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اس موقع پر کانفرنسز، امن کے نصاب، علمی مطبوعات اور منہاج یونیورسٹی میں قائم Peace and Counter-Extremism Department کی کوششوں کو اجاگر کیا، جو انتہا پسندی اور شدت پسندی کے خلاف عالمی بیانیے کو مضبوط کرنے میں مصروفِ عمل ہیں۔ اس موقع پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اسلام کی شفقت، علم، عاجزی، انسانیت کی خدمت اور باہمی احترام پر مبنی تعلیمات کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت پر مبنی تعلیمات اتحاد اور عالمگیر بھائی چارے کو فروغ دیتی ہیں۔ مذاہب کے درمیان باہمی احترام اور تعمیری مکالمہ ہی پرامن بقائے باہمی کی راہ ہموار کرتے ہیں اور عقیدے کی آزادی، مذہبی رواداری اور تنوع کا احترام ایک ترقی پسند اور ہم آہنگ معاشرے کے لازمی ستون ہیں۔

اس موقع پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے Bishop Berardi کو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور اپنی اہم علمی تصانیف پیش کیں۔ Bishop Berardi نے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا شکریہ ادا کیا اور امن، بقائے باہمی اور بین المذاہب مکالمے کے فروغ کے لیے منہاج القرآن انٹر نیشنل کے ساتھ مستقبل میں تعاون بڑھانے میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔

۴۔ بحرین میں "Manama Coexistence Pathway" کے حصے کے طور پر، King Hamad Global Center for Peaceful Coexistence اور کے نمائندوں کے زیرِ انتظام اور معیت میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے Shrinathji Hindu Temple کا دورہ کیا جو 1812ء میں قائم ہوا اور اسے بحرین اور مشرقِ وسطیٰ کا قدیم ترین ہندو مندر تسلیم کیا جاتا ہے۔ مندر کے ایگزیکٹو Mr. Mahendra Bhatia نے گرمجوشی سے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا استقبال کیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ کس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کا عطا کردہ میثاقِ مدینہ شمولیت اور رواداری کا ایک لازوال نمونہ ہے، جو اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ تمام متنوع طبقات برابر کے حقوق اور آئینی شہریت سے لطف اندوز ہوں۔ اس مکالمہ میں تمام مذاہب کے درمیان ہم آہنگی اور احترام کی مشترکہ اقدار کو اجاگر کیا گیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے Mr. Bhatia کو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور اپنی کتب پیش کیں۔ یہ دورہ اس وقار، بقائے باہمی اور باہمی احترام کے جذبے کی عکاسی کرتا ہے جو بحرین کے مختلف طبقات کے درمیان پروان چڑھ رہا ہے۔

۵۔ Manama Coexistence Pathway پروگرام کے تسلسل میں King Hamad Global Center for Peaceful Coexistence اور کے نمائندوں کی معیت میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے "Bait Mohammad Bin Hassan Al-Arrayed" خاندان کے کمیونٹی سینٹر کا دورہ کیا۔ سینٹر پہنچنے پر Mr. Maher Al-Arrayed نے ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ اس موقع پر انہوں نے خاندان

کی بھرپور تاریخ، ثقافتی ورثے اور تمام طبقات کے درمیان سماجی ہم آہنگی کی بحرین کی دیرینہ روایت کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ اس ملاقات کے دوران علمی اور انسانی اہمیت کی حامل کتب کا تبادلہ بھی کیا گیا۔ یہ ملاقات کے امن پسند بقائے باہمی کے زندہ ماڈل اور مملکت کی حکیمانہ قیادت کے زیر سایہ پروان چڑھنے والی مشترکہ انسانی اقدار کا مظہر تھا۔

۶۔ پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اپنے حالیہ دورے کے دوران ملک کی دو قدیم اور تعمیراتی لحاظ سے اہم مساجد کا دورہ کیا۔ ان کا پہلا پڑاؤ Al-Fadhel Mosque تھی، جو بحرین کی قدیم ترین مساجد میں سے ایک ہے اور قدیم Manama کے ساحلوں پر واقع ہے۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کو مسجد کا تفصیلی دورہ کرایا گیا، جہاں انہوں نے اس کی تاریخ اور ان معزز بانی شخصیات کے بارے میں جانا جو King Hamad bin Isa Al Khalifa کے آباؤ اجداد تھے، جن کی خدمات بحرین کے بھرپور روحانی ورثے کا حصہ ہیں۔ اس کے بعد انہیں Juffair میں واقع Al-Fateh Grand Mosque لے جایا گیا، جو کہ ایک عظیم الشان تعمیر ہے اور اس میں تقریباً 8,000 نمازیوں کی گنجائش موجود ہے۔ اس مسجد کا طرزِ تعمیر بحرینی، اطالوی، ہندوستانی، فارسی اور وسیع تر ایشیائی اثرات کے ایک شاندار امتزاج کی عکاسی کرتا ہے، جو اسلامی فن اور تعمیراتی ڈیزائن کے ایک نفیس ملاپ کا مظہر ہے۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اس بات کی تعریف کی کہ کس طرح تعمیراتی ڈھانچے، اسلامی شناخت اور ثقافتی بنیادوں کو محفوظ کیا گیا ہے۔

منہاج یونیورسٹی لاہور کانووکیشن 2025ء

خصوصی رپورٹ

22 نومبر 2025ء کو منہاج یونیورسٹی میں سالانہ کانووکیشن منعقد ہوا جہاں طلبہ کو ڈگری اور نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والوں کو شیلڈز سے نوازا گیا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اس پروگرام میں آن لائن شرکت فرمائی۔ منہاج یونیورسٹی لاہور کے بورڈ آف گورنرز کے ڈپٹی چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، گورنر پنجاب سردار سلیم حیدر خان، وائس چانسلر منہاج یونیورسٹی لاہور پروفیسر ڈاکٹر ساجد محمود شہزاد، رجسٹرار پروفیسر ڈاکٹر خرم شہزاد اور یونیورسٹی کے اساتذہ کرام اور مختلف طبقہ ہائے زندگی کی نمایاں شخصیات نے اس کانووکیشن میں خصوصی شرکت کی۔

❖ منہاج یونیورسٹی لاہور کے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر ساجد محمود شہزاد نے کانووکیشن 2025ء کے موقع پر معزز مہمانوں، فارغ التحصیل طلبہ، والدین اور اساتذہ کرام کو خوش آمدید کہا۔ انہوں نے مجموعی طور پر 1,562 گریجویٹس کو مبارک باد پیش کی، جن میں 41 پی ایچ ڈی اسکالرز بھی شامل تھے اور طلبہ کی کامیابیوں میں والدین کی سرپرستی، اساتذہ کی محنت اور جامعہ کی قیادت کی انتھک کاوشوں کو سراہا۔ وائس چانسلر نے منہاج یونیورسٹی لاہور کے تعلیمی سفر پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ جامعہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کی W-3 کیٹیگری کی صفِ اول کی یونیورسٹی ہے، جہاں 11 فیکلٹیز، 150 سے زائد ڈگری پروگرامز، جدید سہولیات، تحقیقی مراکز اور ایشیا کی پہلی روبوٹک لائبریری موجود ہے۔

❖ پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے کانووکیشن 2025ء کے موقع پر فارغ التحصیل طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کانووکیشن محض ایک رسمی تقریب نہیں بلکہ غور و فکر، مقصد شناسی

اور شکر گزاری کا ایک اہم لمحہ ہے۔ تعلیم اسی وقت بامعنی بنتی ہے جب وہ کردار سازی کرے، اخلاقی شعور کو بیدار کرے اور عقل کے ساتھ دل کو بھی منور کرے۔ آج تعلیم میں اصل مقصد کے بجائے نمبروں اور گریڈز کو فوقیت دی جا رہی ہے۔ تعلیمی ادارے اسلامی تعلیمی روایت کے مطابق اخلاقیات، کردار سازی، ہمدردی اور فکری تربیت کو دوبارہ مرکزیت دیں۔ تاریخ کے عظیم ترین معلم حضرت محمد ﷺ نے بغیر عمارتوں، ڈگریوں اور جدید آلات کے محض کردار، رحمت اور مقصد کے ذریعے دنیا کو بدل دیا۔ یہی وہ نمونہ ہے جس کی طرف آج کے تعلیمی نظام کو واپس لوٹنا چاہیے۔

❖ گورنر پنجاب سردار سلیم حیدر خان نے منہاج یونیورسٹی لاہور میں مدعو کیے جانے پر تشکر کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ 1986ء میں شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے قائم کردہ اس عظیم تعلیمی ادارے کا دورہ کرنا ان کے لیے ذاتی اعزاز ہے۔ شیخ الاسلام ایک غیر معمولی عالم، مفکر، وژنری رہنما اور اسلامی فکر کے عالمی سفیر ہیں، جن کا علم و حکمت آج بھی دنیا بھر میں لاکھوں انسانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ انہوں نے منہاج یونیورسٹی لاہور کی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا کہ یہ ادارہ نہ صرف تعلیمی میدان میں بلکہ سماجی ترقی، کردار سازی، امن کے فروغ اور بین المذاہب ہم آہنگی کے حوالے سے بھی نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔ منہاج یونیورسٹی کے اقدامات منفرد اور قابلِ تقلید ہیں، جو آج کے دور میں کم ہی دیگر اداروں میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔

❖ منہاج یونیورسٹی لاہور کے فخر مند سابق طالب علم اور پنجاب بورڈ آف ٹیکنکل ایجوکیشن کے کنٹرولر امتحانات مسٹر ملک عرفان قاسم نے کانووکیشن 2025ء کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کانووکیشن کے اسٹیج پر بطور مہمانِ خصوصی کھڑا ہونا ہی نہیں بلکہ اسی یونیورسٹی کے سابق طالب علم کی حیثیت سے موجود ہونا ان کے لیے باعثِ فخر اور جذباتی لمحہ ہے۔

❖ منہاج یونیورسٹی لاہور میں **ہمالیئن انسٹیٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ پالیسی اسٹڈیز (HIRPS)** کا باقاعدہ افتتاح معزز گورنر پنجاب **سردار سلیم حیدر خان** نے **پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، پروفیسر ڈاکٹر ساجد محمود شہزاد** اور دیگر معزز مہمانوں کے ہمراہ کیا۔ HIRPS ایک منفرد اور پیش رو تحقیقی ادارہ ہے جو ہمالیائی خطے اور اس سے متصل ریاستوں کے **جغرافیائی، اسٹریٹجک، ماحولیاتی اور سماجی و معاشی پہلوؤں** کا جامع مطالعہ کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چین، بھارت، افغانستان اور پاکستان جیسی بڑی ایشیائی طاقتوں کے سنگم پر واقع ہمالیائی پٹی محض ایک قدرتی رکاوٹ نہیں بلکہ **علاقائی استحکام، موسمیاتی مزاحمت، سلامتی اور ترقی** کے حوالے سے ایک نہایت اہم جیو پولیٹیکل محور کی حیثیت رکھتی ہے۔ ادارے کے تحقیقی دائرۂ کار میں **پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش،**

چین، بھارت، میانمار، نیپال اور وسطی ایشیائی ریاستیں (CARs) شامل ہیں۔ HIRPS کا مقصد شواہد پر مبنی تحقیق، اسٹریٹجک تجزیات اور پالیسی سفارشات تیار کرنا ہے تاکہ حکومتیں، ادارے اور معاشرے اس خطے کے چیلنجز اور مواقع کو بہتر طور پر سمجھ سکیں اور مؤثر حکمتِ عملی اختیار کر سکیں۔

❖ کانووکیشن 2025ء سے خطاب کرتے ہوئے شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے فارغ التحصیل طلبہ کے لیے نہایت فکر انگیز اور بامقصد پیغام دیا۔ انہوں نے طلبہ کو یاد دلایا کہ ڈگری حاصل کرنا زندگی کا آخری ہدف نہیں بلکہ عملی ذمہ داریوں اور معاشرے میں بامعنی کردار ادا کرنے کا آغاز ہے۔ **تعلیم** کا حقیقی مقصد اسی وقت پورا ہوتا ہے جب علم انسان کے **کردار، اخلاق اور طرزِ عمل** میں نمایاں ہو۔ فارغ التحصیل نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے حسنِ اخلاق اور شائستہ رویّے کے ذریعے دوسروں کے لیے آسانی، فائدہ اور خیر کا ذریعہ بنیں۔

شیخ الاسلام نے نوجوانوں کو خود احتسابی کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ اپنی صلاحیتوں اور کمزوریوں کا جائزہ لینا اور مسلسل ذاتی اصلاح پر کام کرنا کامیاب زندگی کی بنیاد ہے۔ حقیقی کامیابی **دیانت، عاجزی اور خدمتِ انسانیت** کے جذبے سے وابستہ ہے۔ ان کا پیغام اس حقیقت کی یاددہانی تھا کہ علم کو صرف ذہن ہی نہیں بلکہ دل کو بھی منور کرنا چاہیے، تاکہ فارغ التحصیل طلبہ ایک بامقصد، ذمہ دار اور اقدار پر مبنی زندگی کی طرف قدم بڑھا سکیں۔

❖ منہاج یونیورسٹی لاہور کو بین المذاہب ہم آہنگی، پرامن بقائے باہمی اور فکری تنوع کے فروغ میں اپنی منفرد روایت پر فخر ہے۔ مختلف علمی شعبہ جات کے نمایاں طلبہ کو اعزازات دے کر جامعہ احترام، شمولیت اور باہمی فہم و شعور جیسی اقدار کو اجاگر کرتی ہے۔ کانووکیشن 2025ء کے موقع پر بین المذاہب اور امتیازی کارکردگی ایوارڈز پیش کیے گئے، جن کا مقصد نہ صرف تعلیمی برتری کو سراہنا بلکہ اتحاد، انسانی اقدار اور ہم آہنگی کے پیغام کو فروغ دینا تھا۔ یہ اعزازات جامعہ کے اس مشن کی عکاسی کرتے ہیں جس میں کردار سازی، ہمدردی اور معاشرتی ہم آہنگی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

❖ منہاج یونیورسٹی لاہور نے کانووکیشن 2025ء کے بین المذاہب اور امتیازی کارکردگی ایوارڈز میں تعاون پر اپنے اسپانسرز اور معزز مہمانوں کو شیلڈز پیش کر کے ان کی خدمات کو سراہا۔

کانووکیشن میں گورنر پنجاب سردار سلیم حیدر خان، پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر ساجد محمود شہزاد، کنٹرولر امتحانات مسٹر عبداللہ، محترمہ ڈاکٹر غزالہ حسن قادری اور محترمہ فضہ حسین قادری نے نمایاں کارکردگی دکھانے والے طلبہ کو گولڈ میڈلز پہنائے۔

2025

2025
MINHAJ

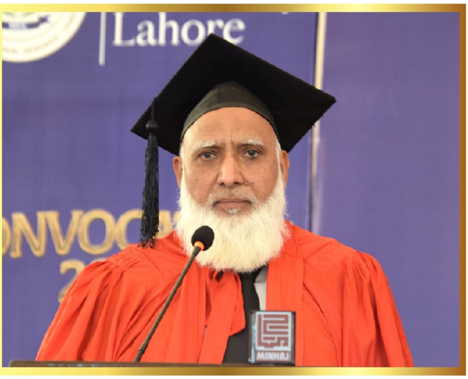
Lahore
MINHAJ

2025

2025
MINHAJ

2025
Minhaj

Lahore
MINHAJ

2025

MINHAJ UNIVERSITY LAHORE
Inspiring Tomorrow's Leaders

MINHAJ UNIVERSITY LAHORE
Inspiring Tomorrow's Leaders

CONVOCATION
Minhaj University Lahore

NVOCATION

NVOCATION

CONVOCATION
Shaping the F
of Higher Edu
Minhaj University Lahore
LAUNCHING THE
HIMALAYAN
INSTITUTE OF
RESEARCH &
POLICY STUDIES
Minhaj University Lahore
CONVOCATION 2025
Minhaj University Lahore
CONVOCATION 2025

CONVOCATION 2025

NVOCATION

منہاج یونیورسٹی لاہور کانووکیشن 2025ء

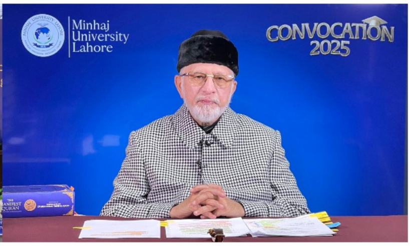

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN LAHORE
Jan-2026
Regd CPL No.41

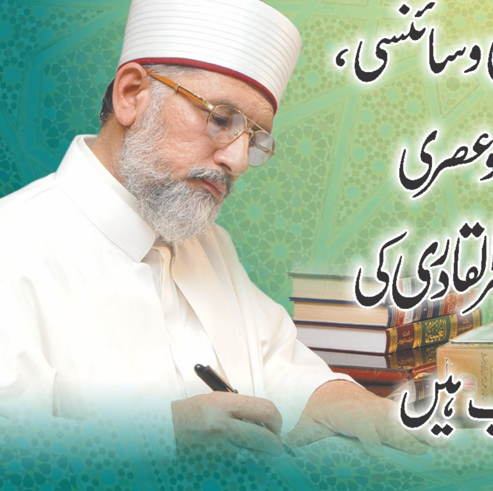

علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی،
فقہی و قانونی، انقلابی اور فکری و عصری
موضوعات پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی
650 سے زائد کتب دستیاب ہیں